ضمیمۂ اردو کلیاتِ نظمِ حالی

مشتمل بر

نظم و نثر فارسی و عربی

جو ابتدائے سن تمیز سے ۱۳۳۲ھ تک مختلف اوقات میں
عالیجناب شمس العلما مولوی حافظ خواجہ الطاف حسین صاحب حالی
کے کلک جواہر سلک سے تراوش پاتی رہیں۔

اور اب افادۂ عام کے لیے
حسب فرمائش جناب حافظ محمد یعقوب صاحب مجددی پانی پتی

سنہ ۱۳۳۲ھ

خاکسار حافظ عبد الستار بیگ نے اپنے

تحفۂ ہند پریس واقع دہلی میں طبع کیا

تعداد طبع ایک ہزار

فہرست مضامین ضمیمۂ اردو کلیات نظم حالی

تمت

ضمیمہ اُردو کلیات نظمِ حالی

مشتمل بر

نظم و نثر فارسی و عربی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تیرہویں صدی ہجری کے وسط تک ہندوستان کے مسلمان بالطبع فارسی زبان میں نظم و نثر لکھنے اور خط کتابت کرنیکے عادی تھے جس شخص کو ادب سے مناسبت ہوتی تھی. وہ اکثر فارسی زبان کی شاعری اور انشاپردازی میں طبع آزمائی کرتا تھا اسکا سبب کچھ تو اسلاف کے طریقے کی پیروی کا خیال تھا جو عموماً فارسی زبان میں تصنیف تالیف کرتے تھے۔ اور کچھ یہ وجہ تھی کہ اُردو جو اُنکی مادری زبان تھی زیادہ تر بول چال میں اور سیقدر شعروسخن میں محدود تھی۔ اور ہر شخص کا یہ کام نہ تھا کہ پہلے ہی پہل شارع عام کے خلاف ہر قسم کی تحریروں میں اُردو زبان کو استعمال کر سکے۔ بڑے بڑے ذی علم اور لائق اصحاب اردو زبان میں خط کتابت کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ چنانچہ اردو زبان کے قواعد[1] تک فارسی ہی میں لکھے گئے۔ اور اردو کے شاعروں کا تذکرہ[2] بھی فارسی ہی میں قلمبند کیا گیا ،،

ایک اور وجہ اُردو زبان کا رواج نہ ہونے کی یہ تھی کہ اہل علم اور لائق اشخاص اردو میں تصنیف و

[1] جیسے میر انشا اللہ خاں کی دریائے لطافت ۱۲ [2] جیسے تذکرہ گلشن بیخار مرتبہ نواب مصطفےٰ خاں مرحوم ۱۲

صحتنامہ ضمیمہ اردو کلیات نظم حالی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۵	سیتقارر	کسیتقدر	۸۳	۱۸	سمارلسئے	صدائے	۱۲۶	۱۲	بالن رایا	بالاَرایا
۱۲	۱۲	یارائے	بارائے	۸۴	۶	صوت برین	صوت حال بہین	۱۲۷	۲	صل حق	صل ورق
۱۶	نوٹ	سنجری	سنجزی	″	۱۴	کسانے کہ	کسانے راکہ	″	″	مصیب	مصیبپ
۱۹	۱۰	شبیہ	شبیہ	″	۱۹	سوافع	سواقع	″	۵	قہقری	قہقرائے
۲۰	۱	دواع	وداع	۸۶	۸	اور ازارافل	اور ازاراذل	″	۸	مَہَابَتُہ	مَہَابَتُہ
۲۵	۴	انتی	اُفتی	″	۱۱	آں راکارنیک	آں کار رانیک	″	۱۶	تاثرہ	مأثرہ
۲۶	نوٹ	رؤف علیخاں	یوسف علیخاں	۸۸	۵	کہ اقرادیک	کہ اَفرادیک	۱۲۸	۲	سینقل	سینفل
″	″	مہتم	مقیم	۱۰۱	۵	لایُبغیرُ	لایُعبَرُ	″	۵	کمثلی	کمثل
۳۰	۱	ازایں	ازیں	۱۰۶	۷	در کوچہ	جز در کوچہ	″	۱۰	قں رکشفت	قں کشفت
″	۱۵	کوفت نیں	کوفت زی	۱۰۷	۲	ودرشیوہ بیانی	ودرشیوا بیانی	″	″	اعلطوہ	اعلغوہ
۳۳	۱۶	خلق در	خلق را	″	۱۱	آمدہ وبہ کسب	آمدہ بہ کسب				
۳۶	۱۷	آں سراوج	آں سراوج	″	۱۲	لطافت بجرا	لطافت بہرا				
۳۷	۷	سنجاں	سنجاں	۱۰۸	۱۸	ونودیسش	ونودوشش				
″	۱۳	بیست ایں	نیست ایں	۱۱۱	۹	عالیہ	علیّہ				
″	۱۵	بہرہ برد	بہرہ بَرَد	۱۱۵	۹	من ہم	ومن ہم				
۴۰	۱	سررشتہ	سررشتہ	۱۱۷	۶	دیدار بوصال	دیدارا بوصال				
۴۲	نوٹ	راقم خود	راقم خود گیا تھا	″	۱۱	علۃ	علّۃ				
۴۶	۸	آہ اثاں	آہ اثاں	″	″	التیمم	التّمم				
۵۲	۱	نکشود و مانا نکتہ	نکشائیدہ مانند نکتہ	۱۲۱	۹	ابق	اَبِق				
″	۲	رکس بجیادہ	رکس بجیدہ	″	۱۰	فیما بری	فیما بُری				
۵۳	۴	استقباط	استنباط	۱۲۲	۱	ارجو	آدجو				
۵۵	نوٹ	۱۰۹۵ سنہ ہجری	۱۸۹۵ء	″	نوٹ	مرالشیا	ہم الشیا				
۵۹	۱۹	مایہ صولت	سایہ صولت	″	نوٹ	پس اس	پس اِس				
″	″	اندانز	اندازنر	۱۲۳	۴	من بتنات	من بیّنات				
۶۲	۱۹	مستنصر باسر	مستنصر باللہ	″	نوٹ	برائیاں	بڑائیاں				
۶۸	۱۵	خلفائے ثلاثہ	خلفائے ثلاثہ	۱۲۴	۴	ہوالات	موالات				
۶۹	۱۳	کتاہت	کتابت	۱۲۵	۱۳	للعز	للعزّ				
۸۱	۲	اورپس از	اوپس از	″	۲۰	الجلائب	الجلابب				

دیکھنے لگا۔ شدہ شدہ یہانتک نوبت پہنچی کہ عربی نظم و نثر پر خودرو بیتاریوں کیطرح ہاتھ ڈالنے کی جرأت ہوئی۔ غرضکہ فارسی اور اُردو کے ساتھ عربی نظم و نثر میں بھی جیناً فحیناً خامہ فرسائی کرتا رہا آخرش زمانہ آپہنچا کہ فارسی اور عربی کے مخاطب صحیح تمام مُلک میں نایاب ہوگئے۔ اور دونوں زبانیں ہندوستان کی مُردہ زبانوں میں شامل ہونے کے قابل ہوگئیں ٭

یہ تو ظاہر ہی کہ مادری زبان کے سوا دوسری زبان میں جو نظم یا نثر لکھی جاتی ہی گو کہ وہ کیسی ہی بے عیب ہو اہل زبان کی نظر میں اُسکی کچھ وقعت نہیں ہوتی۔ الاماشاءاللہ۔ ہاں یہ ممکن ہی کہ اہل وطن کے نزدیک قبولیت کا درجہ حاصل کرلے۔ لیکن جب اہل وطن کسی ملکی انقلاب کے سبب اُس غیر زبان سے بیگانہ محض ہوجائیں۔ اور اُسکی جگہ ملک میں دوسری زبان قائم ہوجائے تو رفتہ رفتہ اُسکی شاعری اور انشا پردازی کا چراغ ہمیشہ کے لیئے گل ہوجاتا ہی ٭

یہی حال آجکل ہندوستان میں فارسی اور عربی لٹریچر کا ہی۔ دونوں زبانوں کی نظم و نثر کے مسوّدے جو کبھی کبھی کے لکھے ہوئے پڑے تھے۔ اُنکی نسبت متردد تھا کہ انکو کیا کیا جائے قوم میں کوئی ایسی محفوظ لائبریری نظر نہ آتی تھی جہاں افراد قوم کے ورکس اچھے یا بُرے احتیاط کے ساتھ رکھے جائیں۔ پھر اہل وطن کا ان دونوں زبانوں سے عموماً ناآشنا ہونا اپنے اس قدیم شعر کا مضمون یاد دلاتا تھا ؎

سخن پر ہمیں اپنے رونا پڑے گا ۔۔۔ یہ دفتر کسیدن ڈبونا پڑے گا

لیکن مذکورہ بالا مسودات کچھ تو اس وجہ سے کہ بڑی کاوش سے لکھے گئے تھے اور زیادہ تر اس خیال سے کہ قومی خصوصیات کی یادگار تھے۔ اُنکو رائیگاں کھونا گوارا نہوا۔ چنانچہ تمام پرچے جس قدر بہم پہنچ سکے اِدھر اُدھر سے فراہم کیئے گئے۔ اور ذیل کی ترتیب کے ساتھ اس مجموعے میں جو کلیات نظم اُردو کے آخر میں بطور ضمیمے کے ملحق کیا جائے گا۔ داخل کر دیئے گئے۔ یعنی اول نظم فارسی۔ اُسکے بعد نثر فارسی

تالیف یا خط کتابت کرنے کو اپنی کسرِ شان سمجھتے تھے۔ چنانچہ مذہبی اور علمی کتابیں اکثر عربی زبان میں اور کبھی کبھی فارسی میں لکھی جاتی تھیں۔ مگر رفتہ رفتہ زمانہ کے انقلاب سے وہ میلان کم ہونا شروع ہوا۔ اور آخر کار یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ دونوں زبانوں میں تصنیف و تالیف کرنا یا نظم و نثر لکھنا موقوف ہی نہیں ہوا بلکہ بمقابلہ اُردو زبان کے محض فضول سمجھا جانے لگا۔ عربی علم ادب تو بہت دن پہلے مُلک سے رخصت ہو چکا تھا۔ مگر غالب مرحوم اور اُنکے معاصرین کے بعد فارسی شاعری اور انشا پردازی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

مذکورہ بالا انقلاب سے تقریبًا سولہ سترہ برس پہلے راقم کو فارسی نظم و نثر لکھنے کا خیال پیدا ہوا تھا لیکن ایک عرصہ تک وہ خیال میلان طبع کی حد سے آگے نہیں بڑھا۔ حُسنِ اتفاق سے ۱۸۶۳ء میں میرا تعلق جناب غفران مآب نواب محمد مصطفٰے خاں مرحوم و مغفور رئیس دہلی و تعلقہ دار جہانگیر آباد ضلع بلند شہر کی سرکار میں جو کہ فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے۔ ہو گیا۔ اور اس تعلق کی وجہ سے تقریبًا آٹھ نو برس اُنکی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ جناب ممدوح کا قیام ۱۸۵۷ء کے بعد سے زیادہ تر جہانگیر آباد میں رہنے لگا تھا۔ جہاں مخاطب صحیح کمیاب تھا۔ اسلیئے وہ فکرِ شعر کیطرف بہت کم متوجہ ہوتے تھے۔ لیکن جب راقم وہاں رہنے لگا تو رفتہ رفتہ جناب ممدوح کا شوق از سرِ نو تازہ ہو گیا۔ اگرچہ اُس وقت تک مجکو فارسی یا اُردو میں فکرِ شعر کرنے کا بہت ہی کم اتفاق ہوا تھا۔ مگر جناب ممدوح کو اِدھر متوجہ دیکھکر میرے دلمیں بھی تحریک پیدا ہوئی۔

فارسی یا اُردو کی جس زمین میں وہ غزل لکھتے مجھے بھی اپنے ساتھ شریک فرماتے۔ انہیں دنوں میں تنہائی اور قلتِ مشاغل کے سبب عربی ادب کی ہوس بھی دلمیں چٹکیاں لینے لگی۔ اگرچہ علمِ ادب کسی اُستاد سے باقاعدہ پڑھنے کا کبھی اتفاق نہوا تھا۔ اور نہ کسی ادیب سے اصلاح لینے کا موقع ملا تھا۔ مگر چونکہ لٹریچر سے فی الجملہ مناسبت تھی۔ کبھی کبھی ڈکشنریوں کی مدد سے ادب کی آسان آسان کتابیں

نظم فارسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزلیات

یہ غزلیں اُسی زمانے کی ہیں جبکہ خیالات میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں ہوا تھا۔ جس قسم کے مضامین غزلوں میں اوپر سے بندھتے چلے آتے تھے۔ اُسی روش پر چند غزلیں لکھی گئی تھیں۔ جنکو معدودے چند کے سوا میں اپنے موجودہ خیالات کے موافق پبلک میں پیش کرنیکے لائق نہیں سمجھتا تھا لیکن بعض احباب کے اصرار سے اُنکو اس مجموعہ میں شامل کرنے پر مجبور ہوا۔

اے تکیہ بعفو تو خطا را — وے ناز بخوف تو رجا را
حاجت کند از طرب فراموش — خوانی چو بسوئے خود گدا را
جا در دل خویش ہم نیابد — رانی ز درت چو پادشا را
علت تو بری و باز بندی — بر صنعت دیگراں شفا را
تاثیر ز تست مصلحت را — بد نام نمودۂ دوا را
بازار صبا نمودۂ گرم — برہم زدہ طرۂ دوتا را
با مشعلۂ ہزار اُمید — پوشیدہ سُراغ مدعا را
در روشنئ ہزار خورشید — گم ساختہ چشم بقا را

پھر نظم عربی۔ اُسکے بعد نثر عربی +

یہ ضمیمہ اگرچہ کم و بیش فارسی اور عربی دونوں زبانوں کی نظم و نثر پر مشتمل ہے۔ مگر عربی کلام اسقدر قلیل ہے کہ اُسکا عدم اور وجود برابر ہے۔ حق یہ ہے کہ اگر اُسمیں ایک قصیدہ حضرت مولانا و سیدنا استادنا شاہ عبد الغنی النقشبندی المجددی قدس سرہٗ کی شان میں نہوتا۔ جو تقریبًا سنہ ۱۲۸۳ ہجری میں مدینہ منورہ بھیجا گیا تھا۔ اور جسکی نسبت جناب ممدوح نے بعض اُدبائے مدینہ کی پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا۔ تو راقم کو ہرگز یہ جرأت نہوتی کہ اپنا عربی کلام اس ضمیمہ میں داخل کرنے کی مبادرت کرتا +

از مقام
پانی پت

حالی

از بام بلند بہ کہ داری — معذور کمند نارسا را

چوں نہد گوش بر ترانۂ ما — رود از یاد ما فسانۂ ما
درد می بارد از ترانۂ ما — حذر از گرمیٔ زبانۂ ما
درد دلہا شنیدۂ بسیار — اندکے گوش کن ترانۂ ما
بایدت قدر خویشتن دانست — پائے بیروں منہ ز خانۂ ما
در سراب آب خضر میجوئی — اے وفا جستہ در زمانۂ ما
گوہرے کز دو کون بیروں است — میتواں یافت در خزانۂ ما
زیر لب ناکشودہ طوماریست — کاش پرسی ز ما فسانۂ ما
برق کز طور داشتند دریغ — سر برآورد ز آشیانۂ ما
قدر حالی ز قوم کس نشناخت — عاقبت رفت از میانۂ ما

خاکساری از جہانے دیگر است — ایں[۱] زمیں را آسمانے دیگر است
شیخ معبودت نہ معبود من است — سجدہ ام بر آستانے دیگر است
با ہزاراں رنگ باید ساختن — یار را ہر لحظہ شانے دیگر است
اہل دیں معذور دارندم کہ من — آنچہ گویم از زبانے دیگر است
ہم تغافل ہم تطاول دیدہ ام — عشق مرد امتحانے دیگر است
دل کہ بود از چشم مورے تنگ تر — چوں نظر کردم جہانے دیگر است

---

[۱] یہ مصرعہ نادانستہ نشاط کے مصرع سے لڑ گیا ہے ۱۲

برسے زِ اُفق بروں جہاندہ — بر پا زدہ در رہش گیا را
زہرے بگوئے جاں فشاندہ — لب تشنہ خویشش کردہ مارا
دربُردنِ صبر دادہ دستے ق اندازِ بُتانِ دلرُبا را
از غیر گسستہ اندک اندک — دلہائے بالفت آشنا را
ہر یک ز قیاس و علم و ادراک ق از نورِ تو شد حجاب مارا
ایں پردہ کہ مُتّہم بکشف است — بردار ز روئے عالم آرا
از آئینہ ام بجز مثالت — ہم زنگ زدائی و ہم جلا را
زخمے ز تو بے نمک نخواہم — ہم درد فرست و ہم دوا را
راز تو بلب نمی پسندم — ہم ساز بسوز و ہم نوا را
از سختیِ دہر رو نتابم — وانم کرمِ ستم نما را
از شعلۂ دل بجاں خبر کن — مُہمل مگذار کیمیا را
زشتیم ز فرق تا قدم زشت — مارا در چشمِ ما میارا
کردیم گناہ و فاش گفتیم — بپذیر گناہ بے ریا را
حرفِ طلبت بلب نہ زیبد — اندوختم از میاں دعا را
تا بر کرمِ تو تکیہ دارم — در راہ فگندہ ام عصا را
حالی! چہ زنی تو دم ز توحید — چوں نا بلدی رہِ خدا را
جائے کہ بعجز اعتراف است — خیلِ عُرفا و انبیا را
آنجا چہ مجال نطق باشد — ہر یافہ سرائے ژاژخا را
اینجا جز خامشی نہ زیبد — نا محرمِ سرّ کبریا را

ز تکلیفِ تو دانستم که در عشق — نباشد آنچه در امکان ضرورست
چو بستم خواجه نافرمان نوازست — سرم پیچیدن از فرمان ضرورست
بطبعم سازگار افتاد دردش — مرا پرهیز از درمان ضرورست
ز عاشق دوست دارد بینوائی — گذشتن از سر و سامان ضرورست
کشد چون تیغ بر سر جاں برافشاں — سپاسے در خورِ احساں ضرورست
کمندِ جاذبهٔ دل در کمین است — خلاصِ یوسف از زنداں ضرورست
بفرمانش دهم سر تا بدانند — که پاسِ خاطرِ یاراں ضرورست
چو میرفت از جهاں میگفت حالی — قبولِ عشق را حرماں ضرورست

من و از مے دو سه پیمانه و یار و لبِ کشت — نه ز دوزخ بدلم بیم و نه پروائے بهشت
ترسم این حسنِ قبولت بَرَد از راهِ صفا — خواجه وقت است که از کعبه روی سوئے کنشت
پرده گر برفتد از نفس حرونت بینی — همه پاکیزه نهاد و همه پاکیزه سرشت
گر بگیرد همه عیب است چه عیب و چه هنر — ور پذیرد همه زیباست چه زیبا و چه زشت
عمرها از تو بناکام همی باید زیست — وائے آنکس که ز کف دامنِ امید نهشت
ترسم از کعبه بری حسرتِ دیدار بخویش — اے فرو مانده به نظّارهٔ سنگ و گِل و خشت
هر قسم را نبود حسنِ قبول ارزانی — ورنه حافظ چه نوشت ست که حالی ننوشت

صید عنقاست پریدیم عبث — راه دور است دویدیم عبث
بود زهرے به شکر آلوده — لذتِ وصل چشیدیم عبث

برنتابد دل مدارائے کسے　　در سرشیں مہمانے دیگر است
بردہ طیب سنبل زلفش ز یاد　　ایں نسیم از بوستانے دیگر است
منتہائے راہ عشق افتادگی است　　منزل ما را نشانے دیگر است
قیس و وامق مرد راہ من نیند　　اندریں رہ کاروانے دیگر است
من ز رویش حسن معنی دیدہ ام　　آنچہ دل بردہ است آنے دیگر است
کار حالی نیست کار احمد است[لہ]　　درس عشقت را بیانے دیگر است

یار باتست گرت جذبہ گیرائے ہست　　یوسف آخر رود آنجا کہ زلیخائے ہست
مے پسندی کہ ز بزم تو خجل برخیزم　　بہ سخن گر نتواں آمدن ایمائے ہست
گو ملامت گر ما دل بہ نکوہش مخراش　　یوسفے ہست گرت تاب تماشائے ہست
گردش چرخ بکام و جہاں ہیچ ایم　　در دل ماست بہر دل کہ تمنائے ہست
چوں من غمزدہ ناکام ہمے باید زیست　　ہر کرا در شب راحت غم فردائے ہست
جائے دہ بر در خود ور تو برانی از پیش　　نتواں یافت کہ در کون و مکاں جائے ہست
رنجش ما و خوشی و لطف و مدارات یکیست　　خستہ را کہ چو من کار بہ خوجے ورائے ہست
بر حذر باش گر او را بہ سخن مے آری　　حالی تفتہ دروں را دم گیرائے ہست

غمش تا جاں بود با جاں ضرور است　　وگر خود جاں نباشد آں ضرور است

لہ ایں مصرع از حضرت احمد جام است قدس سرہ کہ در مطلع غزل خود میفرمایند ؎

درس عشقت را بیانے دیگر است　　مرد ایں رہ را نشانے دیگر است

شدیم شہرۂ عالم بعشق و بیدرداں ہنوز از غم پنہاں نشانہ میخواہند
تن فتادہ دراں رہگذارے طلبند سر بریدہ بر آں آستانہ میخواہند
رسید نغمہ بہ پایان و گوشہا باز است نشید حالی جادو ترانہ میخواہند

بے سبب رنجی و گر نی گلہ زیبا نبود طاقت جور تو در حوصلۂ ما نبود
سعی اگر نیست بجا ذوق طلب را چہ کم است رہرو آں بہ کہ ز رفتار شکیبا نبود
مرد صبریم و رضا لیک بہنگام وداع بازوے ہمت ما نیز توانا نبود
لطف طاعت چہ بود نیست اگر ذوق نظر نپرستیم صنمے را کہ خود آرا نبود
مے ز درد رشک عدو پردۂ طاقت ندرد غم عشق تو چنیں حوصلہ فرسا نبود
مجلس وعظ ملامت کدۂ ما غمزدگاں کم نشینیم بہ بزمے کہ مدارا نبود
ہمرہ خضر بیا گر بخیالم گذری جز تو در سینہ ام از تنگی دل جا نبود
قدر استادی من برد سخن سنج کہ من باز گردم ز در فردوس اگر وا نبود
فتنۂ حشر بپا گشتہ ز حالی بجہاں کایں ہم از شعبدۂ آں قد رعنا نبود

برقع برخ افگندہ و ہمسو نگرانند فریاد کہ ایں پردگیاں پردہ درانند
از زلف و رخ آشوب دل بوالہوسانند ور ناز و ادا فتنۂ صاحب نظرانند
جاں دارو ے عشاق و بکام دل اغیار عمر ابد ما و نصیب دگرانند
صد حرف غلط گفتہ بخاطر بنشانند صد تیر خطا کردہ ز دل درگذرانند
سازند و بسوزند و گرایند و ربایند زنہار ازیں قوم کہ فتنہ گرانند

جذبہ آمد و بمنزل برد — راہ یکچند بریدیم عبث
گوش و لب محرمِ راز نداشت — ہرچہ گفتند و شنیدیم عبث
بود در ظرفِ مغاں آبِ بقا — منتِ خضر کشیدیم عبث
دل ہماں بتکدہ پندار است — جائے در کعبہ گزیدیم عبث
جذبِ دل داشت زمامش در کف — از پئے ناقہ دویدیم عبث
عشق از خویش بریدن میخواست — حالی از خلق بریدیم عبث

روزِ محشر کہ ز ہر شیخ و برہمن پرسند — سرِ ہم قصۂ شوقِ تو چو از من پرسند
دل ربایند و بہ صبر و شکیب آموزند — جاں ستانند و ز ما باعثِ شیون پرسند
بگذر از وسوسۂ عقل کہ اربابِ طلب — راہ از غولِ رہ و چارہ ز رہزن پرسند
پارۂ بے خبری نطق مرا در کار است — مے بیارند و ز من نکتۂ ہر فن پرسند
روئے از فرع بہ اصل آر کہ اربابِ طلب — گل ببینند و سراغِ رہِ گلشن پرسند
بندہ را نیست مجالِ سخن آنجا حالی — ورنہ افسانہ دراز است گر از من پرسند

بیا کہ جان و دل از غم کرانہ میخواہند — ز رشکِ خار بچشمِ زمانہ میخواہند
ز جور ہائے تو در سینہ نیست گرد ملال — بصلح با تو سخن درمیانہ میخواہند
خوش است آشتی اما پس از شکایتہا — کہ دوستاں گلۂ دوستانہ میخواہند
ادب نہ حرفِ طلب بستہ است کام و زباں — وگرنہ از تو حریفاں چہا نہ میخواہند
بہ گلشنے کہ منم طائرانِ آزاد اند — بروں ز کون و مکاں آشیانہ میخواہند

بعد ازیں راز بصد پردہ نہاں نتواں داشت　　عشق مے آید و با طبل و نشاں مے آید
در بہاراں بہ تماشائے گل از جا نروی　　تا نفس راست کنی فصل خزاں مے آید
سوئے من آمدہ مشتاق و ز طرز نگہش　　مے تراود کہ ببوئے دگراں مے آید
دوش چیزے ز سخن ہائے محبت نگذشت　　بجز آں حرف کہ از دل بزباں مے آید
عجب از خود کنم و سوئے فلک مے بینم　　چوں خدنگ تو بسویم ز کماں مے آید
چوں نہ محرم اسرار بیاں در دل ماست　　بر زباں ہر چہ ز اسرار نہاں مے آید
یار چوں نیست موافق چہ وداع و چہ وصال　　مے رود ناخوش و ناخوش تر ازاں مے آید
حالی زار گرفتم کہ وفادار کسے ست　　زو چہ بینی کہ ز دست تو بجاں مے آید

شوقے بدوست راہنما داشتم چہ شد　　دردے بہ از ہزار دوا داشتم چہ شد
عمریست دل بہ بند پیام و وصال نیست　　چشمے بہ رہگذار صبا داشتم چہ شد
در دست جام بادہ و در دل ہوائے دوست　　وقتے چو اہل دل بصفا داشتم چہ شد
افتادہ زیر سایۂ دیوار خستہ ام　　بر فرق خویش ظل ہما داشتم چہ شد
سود و زیان خویش نہ بردے ہر از جا　　پنہاں بہ او معاملہا داشتم چہ شد
یادم کنوں نماندہ کہ پیماں چہ بودہ است　　در سینہ خار خار وفا داشتم چہ شد
کارم ز سعی خضر بجائے نمے رسد　　در ظرف خویش آب بقا داشتم چہ شد
آوارگی بہ برد ہوائے وطن ز یاد　　زیں پیش روئے خود بقفا داشتم چہ شد

حالی خوشست آنکہ بود ہر کسے بر وفا
ذوقے بدل ز جور و جفا داشتم چہ شد

از چشمِ جہاں بیں چہ زیاں اہلِ نظر را
ہر سو کہ ببینند بسوئے نگرانند

آشفتگیِ نغمۂ مستانہ ز بیہوشی است
معذور توان داشت کہ آشفتہ سرانند

حدِ نظر آنست کہ رویش نتوان دید
پیداست کہ ایں مدعیاں بے بصرانند

امید کہ از راز خبر داشتہ باشند
دیوانہ دلانے کہ ز خود بے خبرانند

حالی تہِ ہر حرف و صد نکتہ نہفتہ ست
سنجند دریں بزم اگر نکتہ ورانند

عالم ہمہ در بندِ تمنائے تو باشد
گر صوفی و گر زند کہ شیدائے تو باشد

آتش زنِ صد خرمن و ویران کنِ صد کشت
برقیست کہ در نرگسِ شہلائے تو باشد

آں سادہ کہ در عہدِ تو خرسند بہ ہیچ است
دل باختۂ لطف و مدارائے تو باشد

خرسند نمے سازی و غمگیں نہ پسندی
ناکام کسے کش سرِ سودائے تو باشد

نومید مکن ورنہ محال است کہ کس را
یارائے غمِ حوصلہ فرسائے تو باشد

یارائے صوابت چہ کنم رائے جہاں را
نے رائے جہاں در گروِ رائے تو باشد

تابِ تپِ صد شعلہ و بیتابیِ صد برق
ریزند در آں دل کہ تمنائے تو باشد

بر مرگ نہم دل کہ علاجِ دلِ بیمار
شہد است کز لعلِ دل آسائے تو باشد

آنکس کہ بلرزد تنش از مژدۂ دیدار
دانم کہ مگر محوِ تماشائے تو باشد

با حالیِ بیچارہ توان ساخت کہ مسکیں
ہم بندہ و ہم عاشقِ شیدائے تو باشد

ہر دم از عشق خدنگے بہ نشاں مے آید
اندک اندک دلم از غصہ بجاں مے آید

جاں گدازند بلطف و بغضب شاد کنند
ہر چہ خواہید ازیں عشوہ گراں مے آید

عشق اگر کیش ست ملت ها کهن خواهد شدن / منبرے هر گوشه از دار و رسن خواهد شدن

گر عنانِ بادِ مصر اندر کفِ جذبِ دل است / رنگ یوسف جمله بوئے پیرهن خواهد شدن

عمرها شد تشنهٔ آبِ دمِ شمشیر تست / تیغ برکش ورنه جاں بیروں ز تن خواهد شدن

سیدمدِ گل هر کجا پائے نگاریں مے نهی / جاده چوں از سیر باز آئی چمن خواهد شدن

شکوه گر برلب نیاید عاقبت کیں مے شود / زخم را درماں نباشد چوں کهن خواهد شدن

صید تا افگنده محوِ دست بازوئے خود است / ایں جواں روزے شکارِ خویشتن خواهد شدن

زینکه شد همخوابهٔ خسرو نیرزد نیم جو / گرمیِ بازارِ شیریں کوهکن خواهد شدن

در غریبی طرح الفت افگنم با هر کسے / در دلِ گبر و مسلمانم وطن خواهد شدن

یار در کوچ ست من خاموش و جاں بیتاب گر / جذب در دل نیست کار از دستِ من خواهد شدن

دوست پر تمکین و حالی از ادب بسیار دور / دیر باد و همنشین و هم سخن خواهد شدن

غزل ناتمام

اے نورِ صفائے دل پنهاں شده هر پیدا / اے شب تو به پایاں رس اے مهر درخشاں شو

گر بارِ نئے همت هست دستے بگریباں زن / ور پائے ارادت هست لختے به بیاباں شو

تنهائی و رنجوری و انگه غمِ مجبوری / اے مشکلِ من بگشا اے مردنم آساں شو

شوخے ست که نگذارد بر ملتِ خود کس را / اے شیخ ز دیں برگرد اے گبر مسلماں شو

ساقی به قدح بخشی گو توبهٔ ما بشکن / مطرب بنوا سنجی گو رهزنِ ایماں شو

هم باده دمادم خور هم بوسه پیاپے ده / بے پرده تر از گل آئے چوں بوئے گل ازداں شو

اے سر تو نقاب از تست خود جلوه حجاب از تست / از خود بگسل پیوند و ز خویش برآں شو

لب بهرہ ز رازِ ما ندارد   خود زمزمہ سازِ ما ندارد
ہر جا صنمے ست معبدِ ماست   یک قبلہ نمازِ ما ندارد
بر نالہ ما دلش نہ سوزد   آنکس کہ گدازِ ما ندارد
آں گوش کہ پُر ز حرف و صوت ست   گنجائیِ رازِ ما ندارد
کارم بہ کسے فتادہ کز ناز   پروائے نیازِ ما ندارد
گر ہر دو جہاں فراہم آرند   اندازۂ آزِ ما ندارد
حالی گلہ جفائے دوراں   صوتے ست کہ سازِ ما ندارد

دلے خواہم کہ چوں پروانہ سوزد   فتد در آتش و مردانہ سوزد
ز بید آوارۂ اُمید ناکام   دل از رشکم بر آں پروانہ سوزد
تبہ کردست جورِ آشنایم   بحالِ من دلِ بیگانہ سوزد
بکنجِ خانہ شمعے می فروزم   کہ چوں درگیرد اوّل خانہ سوزد
دلے را کش بدوزخ سوخت نتواں   فروغے از رخِ جانانہ سوزد
فروغ از من کسے جز من نگیرد   من آں شمعم کہ در ویرانہ سوزد
گر از من بشنوی روداد حالی   بہ چشمت خواب زیں افسانہ سوزد

غزل ناتمام

در گلستاں بلبل و در انجمن پروانہ ام   من بہر جا محوِ نیرنگِ رخِ جانانہ ام
محرمیت نیست دل را با ہزاراں قرب دوست   یار گرمِ آشنائی ہا و من بیگانہ ام
خضرِ راہِ منزلِ مقصود جز توفیق نیست   زین و آں پرسم نشانِ او مگر دیوانہ ام

سوسن بآلِ احمدؐ و آلش بمدح جد — هر کس قسم بدانچه عزیز است میخورد
سوگند کردگار بجانِ محمدؐ است

آنجا که از مناقبِ عترت سخن رود — وز آل و از صحابه و امت سخن رود
وان کانهمه ز ختمِ رسالت سخن رود — ور خود ز نقشِ مُہرِ نبوت سخن رود
آن نیز نامور ز نشانِ محمدؐ است

حکمش بمهر و ماه روان است چون قضا — دیدی که بازگشتنِ خورشید بر قفا
بوده است بر اشارهٔ ابروی مصطفیٰؐ — بنگر دو نیمه گشتنِ ماهِ تمام را
کان نیمه جنبشی ز بنانِ محمدؐ است

دانی ز پیشِ چشمِ تو برخیزد از حجاب — گز نورِ شمع پردهٔ فانوس راست تاب
باشد ظهورِ روشنیِ عارض از نقاب — آئینه دارِ پرتوِ مهر است ماهتاب
شانِ حق آشکار ز شانِ محمدؐ است

بینی اگر بدیدهٔ درّاک وارسی — گوئی اگر بعالمِ ادراک وارسی
سنجی اگر بمرتبهٔ خاک وارسی — دانی اگر بمعنیِ لولاک وارسی
خود هر چه از حق است از آنِ محمدؐ است

لطفِ خداست گر بسر کس نهاد دست — قهرِ خداست چون سرِ کین بحمله جست
دانند کسی که شد ز مئے مادمیت مست — تیرِ قضا هر آئینه در ترکشِ حق است
اما کشادِ آن ز کمانِ محمدؐ است

همت بمدحِ شہ من حالی گماشتیم — گفتیم و از نگاشتنیها نگاشتیم
چون کام و لب فراخورِ وصفش نداشتیم — غالبؔ ثنای خواجه به یزدان گذاشتیم

حالی بہ سخن خواہی رفتن زپے غالب　　دولت بغلط نبود از سعی پشیماں شو

نگردد از تو ہرگز سیری چشم تماشائی　　اگر بر دیدہ بنشینی[1] و گر در دل فرود آئی
نگنجد با تو این ہنگامہ ہا در شان یکتائی　　تو چندیں عالمے با خویشتن داری و تنہائی
ترا شایاں بود خوبی کہ بے ہمسری محبوبی　　ترا زیبد دل آرائی کہ بدخوئی و زیبائی
تو چشم و گوش بکشائی و شد بہر تو ارزانی　　بگلشن چہرہ آرائی بہ بلبل نغمہ پیرائی
نہ در بزم مغاں راہست نہ در کوئے گدا گاہست　　تو اندر بند مستوری چہ دانی ذوق رسوائی
سر راہ خدا داری و دل سوئے قفا داری　　تو زانساں پیروی از رہ کہ پندارند مولائی
گواہ بیگناہی ہائے خود دارد جہانے را　　تو دست خود بخون حالی مسکیں نیالائی

تخمیس غزل نعتیہ جناب مرزا غالب مرحوم کہ در حیات ایشان نوشتہ شدہ بود

اعجاز از خواص لسان محمد است　　عین الحیٰوۃ گم بدہان محمد است
گر نور و گر ہدے کہ از آن محمد است　　حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد است
آرے کلام حق بزبان محمد است

ای خامہ وصف قامت معشوق کم نگار　　اے دل سخن ز رست قد دلبر میان میا
قمری ز ذکر سرو نفس را نگاہدار　　واعظ حدیث سایہ طوبیٰ فرو گزار
کاینجا سخن ز سرو روان محمد است

شاہد تقبل عاشق و عاشق بخال و خد　　مجنوں بپائے لیلیٰ و لیلیٰ بفرق خود

[1] یہ مصرعہ حضرت میر حسن سنجری رح کی غزل سے لیا گیا ہے جسکا پہلا مصرعہ یہ ہے ع تو نور کیسی ای سرو تو جان جانی ای جاناں۔۱۲

اے ہیچ بہ ہیچ خودنمائی تا چند　　خودبینی و خویشتن ستائی تا چند
چوں میدانی کہ جز کفِ خاک نۂ　　پس ایں ہمہ دعویِ خدائی تا چند

دیگر

از شعر و سخن گوششِ جہاں کم بادا　　وزیں شغلهٔ بیہدہ کمتر بادا
بر ہر کہ دعاے بدکنم مے گویم　　یارب کہ گراں مایہ سخنور بادا

دیگر

چندے بہواے گلعذاراں بگذشت　　لختے در بندِ روزگاراں بگذشت
برنا مدہ کامِ دل شباب آخر شد　　نشگفتہ گلے و نو بہاراں بگذشت

عزا

عباسِ علی و اکبر آں غیرتِ ماہ　　بودند شبیہہ احمد و شیر الٰہ
در نوحۂ ایں ہر دو جواں بر لبِ شاہ　　گہ وا ابتاہ بود گہ وا جداہ

در شکریہ مہمان نوازی قاضی محمد خلیل صاحب بریلوی کہ در زمانۂ قحط در بریلی گفتہ شد

ہر چند ز تیغ قحط خلقے ست قتیل　　وز بسکہ فلک بہ خاکیاں گشتہ بخیل
اما چہ غم از قحط کسے راکہ مدام　　الوانِ نعم مے رسد از خوانِ خلیل

در شکر لطف و عنایت سید کرامت علی مرحوم صفا تخلص ہنگامِ وداع از پٹیالہ

کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

رباعیات

توحید

دل دادهٔ شوقت چه ولی او چه نبیؐ سودا زده ات هم عجمی هم عربی
دل از تو تسلی نتواں کرد بہ ہیچ اے خوشتر از آبِ سرد در تشنہ لبی

ایضاً

یارب کرمے کہ شرمسار آمده ایم سرمایہ ناکسی بہ بار آمده ایم
شایستۂ دوزخیم وجویائے بہشت دریاب کہ پرامیدوار آمده ایم

اخلاق

سر بر عفر از خاکِ پائے ہمہ باش دلہا مخراش و در رضائے ہمہ باش
با خلق نیامیختن از خامیِ تست ترکِ ہمہ گیر و آشنائے ہمہ باش

دیگر

سر نِہ بدرے و خاکِ پائے ہمہ باش دل دِہ بہ یکے و دلربائے ہمہ باش
خواہی شوی آشنائے بیگانہ نما بیگانہ آشنا نمائے ہمہ باش

دیگر

اے آنکہ زحلۂ صداقت عوری بنشیں بہ ریا یا منشیں مہجوری
کس از دلِ دشمنانِ خود دور مباد چند آنکہ تو از خاطرِ یاراں دوری

دیگر

دیگر

بُرد از دلِ من صبر و دل از پہلوئے من — افسونِ وفا و کرمِ اہلِ دکن
زینساں دل و صبر اگر بغارت ببرند — مشکل کہ رسیم ما غریباں بوطن

در شانِ نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم دہلوی متخلص بہ نیّر در فارسی و رخشاں در اُردو

عمرے ست کہ دہلی جسدِ بیجان است — وز قحطِ رجال سر بسر ویران است
با صد شکر کوکبِ سخنش — روشن ز فروغِ نیّرِ رخشان است

خطاب بحضرتِ ممتاز مرحوم [۱]

اے مدحِ تو ضحکۂ جہاں کرد مرا — لطفِ تو خجل از این و آں کرد مرا
حُسنِ ظنِ تو کہ کردی اندر حقِ من — زابنائے زمانہ بدگماں کرد مرا

ایضاً

ممتاز آں آشنائے بیگانہ نما — کز ہر سخنش ہمی چکد صدق و صفا
نادیدہ بجاں شوقِ لقائش دارم — گر دست دہد جاں برہش رُوئے نما

ایضاً

اے پارسیِ ریختہات ذوق انگیز — وے نظمِ تو چوں نثر ہمہ الفت خیز
در پردہ سخن گفتی و رخ ننمودی — بازار خود و آتشِ ما کردی تیز

---

[۱] قاضی ممتاز حسین صاحب مرحوم متخلص بہ ممتاز وکیل و رئیس پیلی بھیت تھے اور روہیل کھنڈ میں فارسی نظم و نثر کے نامور استاد تھے انہوں نے قدردانی کی راہ سے چند رباعیاں میری نسبت تحریر فرماکر بھیجی تھیں اُنکے جواب میں یہ تین رباعیاں میں نے بھی لکھی تھیں ۱۲ حالی

حالی نشود محو ز لوحِ دلِ ما — لطفیکہ دمِ وداع فرمود صفا
گر قدرِ مسافراں بہ غربت این است — صد رہ بسفر بیرو و صد رہ باز آ

در تاویلِ جراحتِ مولانا شبلی مدظلہ

شبلی کہ گزندِ پاش پئے دل شکن است — با خستگیش خجستگی مقترن است
چندانکہ بکاہند فزایند اینجا — کار آستن چمن ز پیراستن است

در تاسف بر وفات یکے از فرزندانِ مہاراجہ کشن پرشاد بہادر مدار المہام سرکارِ عالی متخلص بہ شاد

چرخ از پسِ داغ بر دلش داغ نہاد — او جز بہ سپاسِ ایزدی لب نکشاد
الحق کہ بہ غصہ شاد و خنداں بودن — زیں گونہ ندیدیم جز از حضرتِ شاد

رباعیات در شکریۂ شیرینی مرسلۂ مولوی عبدالعلی خاں والہ پروفیسر نظام کالج در حیدر آباد

دینم اخلاص و دوستداری آئیں — من بندۂ دوستانِ اخلاص گزیں
شیرینیکے کہ یار شیریں بخشد — بر روے بتواں فشاند جانِ شیریں

دیگر

والہ کہ بمردمی فرید آمد و فرد — از مہرِ وطن کرد دلِ حالی سرد
ہر سیرتِ نیک را تواں یافت عدیل — جز سیرتِ والہ کہ مرا والہ کرد

یتیماں را پدر وار اشکہا از رخ فرو شوید
غریباں را چو غمخواراں برآرد خارہا از پا

اگر بیوہ زنے نالد ز دستِ ناخدا ترسے
بہ داد او رسد زاں پیش کآید بر لبش آوا

گدایاں را دہد بخشے کہ دلہا را غنی سازد
ضعیفاں را دہد زورے کہ پیراں را کند برنا

نگہے برہم زند یک شہر بر فریادِ مظلومے
گہے یک جاں ستاند تا اماں بخشد جہانے را

مظالم را براندازد جہاں از فتنہ پردازد
عدالت را برافرازد ستم را افگند از پا

ضعیفاں را تواں بخشد بمظلوماں اماں بخشد
بہ محتاجاں چناں بخشد کہ حاجت را نماند جا

گمارد چوں باصلاحِ مفاسد ہمتِ خود را
کند اصلاحِ آں چندانکہ سازد زشت را زیبا

فروزد شمعِ دیں زانساں کہ ظلمت از جہاں خیزد
ہنر را پرورد چندانکہ گردد عیب ناپیدا

بصحبت برگزیند بخردانِ مصلحت جو را
کہ پشتیبانِ ملک و دولت آمد صحبتِ دانا

شریعت را و را امر و نہی دارد نگہ گاہ خود
کہ چوں باشد عصا در دست ہر را نہ لغزد پا

نہ سازد تکیہ در بیچارگی جز بر توانائے
کہ اکمہ را بہ بخشد نطق و اعمیٰ را کند بینا

نباشد غرّہ در سرپنجگی بر زور بازوئے
کہ گہ گہ تن بعجز اندر دہد از پشۂ تنہا

گر امروزش ہمہ سامانِ عیش و خرمی بخشند
نہ سازد بادلش از تلخیِ اندیشۂ فردا

جہاں را پر کند از عدل و از طغیاں تہی سازد
ہمہ مقصودِ او ایں باشد از دنیا و ما فیہا

اگر از جائے خود جنبد زند صد فتنہ را برہم
وگر خاموش بنشیند کند صد عقدہ از ہم وا

اگر لطف آورد آید بکامِ خلق شیریں تر
از آں انفاسِ جاں پرور کہ کردے مردہ را احیا

وگر خشم آورد با مصلحت نزدیک تر باشد
از آں لطفے کہ شوید گردِ کیں از خاطرِ اعدا

صلاحِ ہر یکے جوید چہ در پیدا چہ در پنہاں
بود در بندِ احسانش اگر ناداں وگر دانا

بصورت ملتفت اما نہ بندد جز بمعنی دل
بہ دنیا مشتغل اما نباشد فارغ از عقبیٰ

قصائد و قطعات وغیرہ

قصیدہ۔ در مدح جناب غفران مآب حاجی الحرمین الشریفین نواب محمد کلب علیخاں مرحوم رئیس مصطفےٰ آباد۔ رام پور

اِس قصیدے کی تمہید اُس وقت لکھی گئی تھی جب کہ شاعرانہ خیالات میں پہلے ہی کچھ انقلاب پیدا ہوا تھا۔ اور مبالغہ سے نفرت ہونے لگی تھی۔ اُنہیں دنوں میں پہلا دربار قیصری منعقد ہونے والا تھا جو ۱۸۷۷ء میں بمقام دہلی وقوع میں آیا۔ جی میں آیا کہ اس تمہید کے بعد کسی ایسے قصیدے کی بنیاد ڈالی جائے جس میں بقدرِ امکان مبالغہ سے احتراز کیا جائے۔ چونکہ حضور نواب صاحب ممدوح سے فی الجملہ تعارف تھا۔ اور اُنہوں نے سرسید کی امداد میں سب سے پہلے سبقت کی تھی۔ اور دربار میں اُنکے شریک ہونے کی قوی اُمید تھی اسلئے اُنہیں کو اس قصیدے کا ممدوح قرار دیا گیا۔ اگرچہ وہ علالت کی وجہ سے شریکِ دربار نہ ہو سکے۔ اور قصیدہ اُن کی خدمت میں بوجہ دلخواہ پیش نہ ہو سکا۔

سحرگہ پردہ بگرفتند چوں از زشت و از زیبا — بدل گفتم کہ ایں نعمت آمد برتر از نعما
بگفتا نعمتے در قدر از ہم بیش و کم نبود — ز ساقی عین رحمت داں اگر جرعہ و گر مینا
ولے فرماندہ بیدار دل زیں اصل مستثنےٰ است — کہ چوں او نعمتے نتواں نشاں داد از پے دنیا
صلاحِ عالمے بارائے او وابستگی دارد — جہاں را چوں چمن میداں و اورا چوں چمن پیرا
رعیت را چناں دارد کہ دارد گلہ را چوپاں — غم دلہا خورد زانسانکہ بازرگاں غم کالا
بروز از داد مظلوماں زبانے بر نیاساید — بشب چوں پاسباں بیدار باشد بر در دلہا

سخن را برتری داده عبارت را تری او ادا را دلبری داده زہے منشی زہے انشا
معانی با نزاکت چوں ادا با حسن ہم پہلو مبانی با عذوبت چوں صفا با دوستی ہمپا
رباعی شیوۂ دارد کہ نتواں دید در جادو غزل کیفیتے دارد کہ نتواں یافت در صہبا
رباعی بشنوی از برقِ خاطف درگماں افتی غزل بینی زنی بر سنگ جام بادۂ حمرا
جزالت با قصائد تواماں چوں اوج با کیواں شگرفی با قوافی ہمعناں چوں موج با دریا
عروجِ پایگاہِ **مصطفےٰ آباد** را نازم کہ دارد ایں چنیں فرمانروائے مملکت پیرا

ق

تو اے کز وصف شیراز و صفاہاں قصہ‌ہا راندی یکے در **مصطفےٰ آباد** رفتہ چشم دل بکشا
نہ پندارم کز ینساں دیدہ باشی در جہاں شہرے ہنر را مسقط الراسے دیں را ملجا و ماوے
بہر دکاں متاعِ علم و حکمت چیدہ تو بر تو بہر بزم اندروں روشن چراغ ملت بیضا
ہم از اہل صناعت کاملانش چار سو بینی ہم از ارباب علم و فضل یابی فوج فوج انجا
فقیہاں اجتہاد آثار و دانایاں فلاطوں رائے حکیماں شہرہ در علم و طبیباں در عمل یکتا
گروہے از سخن سنجاں کہ باشند زاں ہمہ ہر یک سخن را زندگانی بخش و معنی را حیات افزا
بموسیقی بسے از سحر کاراں نکیسا دم کہ نبود شاں چو بونصرے دریں رہ ہمسر و ہمتا
خوشا شہرے و فرخ شہریارِ نام بردارش نگہدارد خدا ایں ہر دو را از ناخوشِ دنیا

ق

تو اے کز سیر بنگاہِ[۱] سرانِ ہند مے آئی چہ آوردی بگو از جنس معنی ارمغاں مارا
گرفتم دیدہ از ملک و دولت بہرہ ور جمعے ولے کم دیدہ باشی علم و دولت را بہم یکجا

۱؎ یہ خطاب ہے اس فرضی شخص کیطرف جو گویا کہ ہمارے رئیسوں اور سرکاری مہمانوں کے ڈیروں اور خیموں کو دیکھکر واپس آیا ہے ۱۲

بود تا در دیارِ خویش سر برپا فشانندش
دگر افتد بملکِ غیر در چشمان نہندش جا

اگر خواہی جہاندارے چنیں بیدار دل بینی
بیا در خیمہ گاہِ دیں پناہِ خسروِ والا

دریں جشنِ شہنشاہی کہ گوئی حشرِ اعیان است
زمانے چشمِ دل بکشا و بنگر عینِ اعیاں را

سحابِ مکرمت کلبِ علیخاں آنکہ در عہدش
گدا از شاہ و مفلس از توانگر دارد استغنا

نیابی ہیچکس کش بار گردن نیست احسانش
چہ دولتمند مستغنی چہ عزلت گیرِ بے پروا

نہ تنہا صیتِ احسانش بہند افتاد و قطّانش
کہ شد آوازۂ جودش بلند از یثرب و بطحا

گر از لب بند بکشاید دمد بر گوشہا افسوں
ور از رخ پردہ بردارد نظرہا را کند شیدا

رُخے روشن تر از مہر و سرے بالاتر از گردوں
کفے ریزندہ چوں ابر و دلے جوشندہ چوں دریا

جبیں انوار را مسکن ضمیر اسرار را مخزن
بروں زیبا دروں روشن زہے صورت زہے معنے

ق

خوشا وقتِ سخن سنجے کہ چوں باوج پردازد
نگہدارد عنانِ خامہ را از جادۂ اطرا

کہ نبود ہیچ بیتے سادہ ہرگز کارگر در دل
اگر صد بیتِ رنگیں در ستایش کس کند انشا

دو صد اغراق با یک قولِ صادق بر نمی آید
فَاِنَّ الْحَقَّ یَعْلُوْ کُلَّ بُہْتَانٍ وَّلَا یُعْلٰی

بحمد اللہ کہ من مداحِ آں سرچشمۂ فضلم
کہ در فضل و کمالش ہرچہ گویم باشدش زیبا

بہر فن پایہ اش والا بہر علمش یدِ طُولٰی
بہر رمزے دلش دانا بہ ہر صیدے کفش گیرا

بہر منزل گہش راہے بہر کویش گزرگاہے
بہر جا ایش علم برپا بہر راہش قدم پویا

بجائے کز ہنرمنداں کسے را در شمار آرند
ہنر نالد کہ مَنْ لِیْ غَیْرُہٗ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا

بوقتے کز جوانمرداں عزیزے در حساب آید
کرم گوید کہ مَا لِیْ دُوْنَہٗ مَنْجًی وَّلَا مَاْوٰی

بہ بزمے گر سخن سنجاں حدیثے درمیاں افگند
سخن بر خویشتن بالد کہ ما از شاہ و شاہ از ما

بہ بخشِ ایں مہتر کہتر نوازِ فیض گستر را   نصیبے کامل از دنیا و از دیں بہرۂ اوفیٰ
مدہ اندوہ و غم را در درونِ خاطرش راہے   کہ با جمعیتش وابستہ شد جمعیتِ دلہا
دگر - یا رب دہد گر بخت وقت آں آرزو دارم   کہ یکرہ بر روش خود را زنم چوں تشنہ بر دریا
تکلف نیست در ہرچہ از دعا و از ثنا گفتم   تو دانی حالِ ما یا عالِمًا بالجہرِ و الاخفا

قطعہ بر وفات آنریبل نواب محمد علیخاں مرحوم متخلص بہ رشکی خلفِ اکبر حضرت نواب محمد مصطفیٰ خاں رحمہ اللہ رئیس جہانگیر آباد ضلع بلند شہر

دریغ از رحلتِ نواب رشکی   کہ بود امید گاہِ حالیِ زار
بصورت گرچہ بود از دیدگاں دور   نبود از دل نہاں یک لحظہ زنہار
بیادِ صحبتِ دیرینۂ او   بُدے روشن تر از روزم شبِ تار
زمرگِ خواجہ گم گردیم صد حیف   متاعِ کاسدِ خود را خریدار
دریغ آں شاد باش و شادمانی   دریغ آں کس مرنجاں کس میازار
دریغ آں عیدِ وصلِ گاہ گاہی   کہ مے آمد پس از یک سال یک بار
دریغ آں یادِ صحبت ہائے پیشیں   کہ مے شد تازہ از انشا و اشعار
دریغ آں یادگارِ عہدِ اسلاف   کہ یاد از وضعِ شاں دادے بکردار
قدیماں را نہ راندے از درِ خویش   وگر بودند مجرم یا خطاکار
بعمرِ خویشتن نگرفت گاہے   بجرمے خشم بر خیلِ پرستار
مقرر داشت چوں رزقِ مقدر   بہر کس ہرچہ مے بخشید ادرار
چناں کایزد درِ روزی نہ بندد   بجرمے یا خطائے بر گنہگار

کشاد دستند بر روئے ہوا صد طبلہ عطاراں   مشامے کو کہ دریابد شمیم عنبر سارا
بگلشن جلوہ ہر نونہالے دیدنی دارد   ولے در خاطر بلبل نگنجد جز گلِ رعنا
کسے کو باشد از پیرایۂ علم و ہنر عاری   بچشم اہلِ دل ہیچ است اگر جمشید اگر دارا

ق

الا اے آنکہ از مدحش مرا رطب اللسان دیدی   نہ پنداری کہ فرِّ مال و جاہم بردہ است از جا
سزاوار ستایش گر بہ تنہا سیم و زر بودے   نمی کردند صدیقاں رم از صفرا[۵۱] و از بیضا
ولے با فرِّ صورت حسنِ معنی جمع چوں دیدم   نیارستم زباں بستن ز شکرِ واہبِ یکتا
کہ در اسلامیاں از جنس ایشاں کمترے آورد   ہمال از علم لذت کش بعلم از مالِ بے پروا
نوید اہلِ جہان آباد را کایں روز آں روز است   کہ نازد ہر قدر ایں بقعہ بر خود باشدش زیبا
ورودِ[۵۲] حضرتِ نواب در دہلی بداں ماند   کہ آبِ رفتہ سوئے آبداں باز آید از دریا
مرا ایں نغمہ بر لب بود کآوازے بگوش آمد   کہ پُر شد ساغر امروز از ناکامیِ فردا
توقع داشتیم از مقدمِ نوابِ دیں پرور   کہ روزے چند ایں ویرانہ گردد خویشتن آرا
ولے ناسازگاری ہائے بخت واژگوں بگذاشت   کہ کشتِ خشکِ ما را تر کند ابرِ کرم فرما
برو حالی تحمل پیشہ کن در ہر خوش و ناخوش   کہ سرے ہست پنہاں در عَسیٰ اَن تکرہوا شیئاً
ہلالِ عید را گر بینی و گر منتظر باشی   فروغ افزاید آں در چشم و خرم دارد ایں دل را
خداوندا بحقِ آنکہ از اعجازِ انفاسش   بدستِ پاک او مشتِ حصا را کردہ گویا

---

۵۱ یہ اشارہ ہے حضرت عمرؓ کے قول کیطرف کہ یَا صَفْرَاءُ وَ یَا بَیْضَاءُ غُرِّی غَیْرِی یعنی اے سونے اور اے چاندی میرے سوا کسی اور کو دہوکا دینا ۱۲

۵۲ اسمیں اشارہ ہے اُس زمانہ کی طرف جبکہ نواب ممدوح کے والد ماجد نواب رؤف علیخاں مرحوم دہلی میں بہ حالت طالب علمی مقیم تھے۔ اور نواب ممدوح صغر سن میں اُنکے ساتھ یہیں رہتے تھے ۱۲

قطعہ بر وفاتِ وزیر الدولہ خلیفہ سید محمد حسن خاں مرحوم وزیرِ ریاستِ پٹیالہ

آہ از مرگِ مفاجاتِ وزیر الدولہ — کہ فرو رفت بحیرت خبرش ہر کہ شنید
برنتابد جگر ایں داہیۂ دہیا را — کامد از پردۂ تقدیر بناگاہ پدید
فارغ از ماتمِ فرزند جواں ناگشتہ — رخت زی منزلِ فرزند جواں باز کشید
خلق را بہ نشدہ زخمِ دو تیرِ منکر — کز فلک بر اثرِ ایں ناوکِ دلدوز رسید
شہرِ پٹیالہ نہ تنہا بہ غمش نوحہ سراست — کہ بہر ناحیہ زیں نالہ بلند است نشید
اے بسا چشم کزیں واقعہ خوناب فشاند — اے بسا دست کزیں غصہ گریباں بدرید
صبر بر مرگِ عزیزے نتواں کرد آرے — کہ بود فرد در اقران و در امثال وحید
آنکہ تردستیِ او در کرم و بذل و سخا — رسمِ اجداد ز سر کردہ بعالم تجدید
آنکہ ہرگاہ لب از لطف کشادے بسخن — گفتی از خلد نسیمِ سحری باز وزید
منتش شاملِ ہر فرقہ چہ بیگانہ چہ خویش — لطفِ او عام بہر کس چہ قریب و چہ بعید
زخمِ مشکل کہ بہ تدبیر شود چارہ پذیر — کہ ازیں واقعہ بر دولتِ پٹیالہ رسید
ہمہ عمرش بنکو خواہیِ دولت بگذشت — تا تواں است در اصلاحِ مفاسد کوشید
گر بکاوند ہمہ مملکتِ خالصہ را — ایں چنیں صاحبِ تدبیر خرد نتواں دید
مگر از دودۂ او کس بہ تلافی خیزد — کش بود در کفِ پے قفلِ درِ بستہ کلید
در علیگڈھ کہ بنا یافتہ دار العلے — از مددگاریِ یاریش بسے داشت اُمید
یا درے گم شدہ از دستِ عزیزاں ہیہات — کہ ز دوراں بدلش مے نتواں باز خرید
ذکرِ او ماند جاوید دریں دارِ علوم — کش نکو خواستہ تا بود و نکو اندیشید

زحالی گرچہ کہتر بود در عمر   ولے بربست زینجا پیش از و بار
مگر از ناصبوری چشم میداشت   کہ لختے پیش از ما ماند رہوار
ولے چوں جنگ نتواں با قضا کرد   ہمہ گس صبر باید کرد ناچار
ولے از دل نہ گردد یادِ او محو   بود تا جانِ محزوں در تنِ زار

قطعہ تاریخ وفات قبل از وقت سیّد محمود علی مرحوم خلف سیّد بر علی نبیسۂ کہین برادر جناب سر سیّد احمد خاں بہادر رحمہ اللہ کہ از طلبۂ رشید کامیاب محمڈن کالج علیگڈھ بود

زبدۂ اتراب و شمعِ جمع محمودِ علی   آنکہ در باغِ شبابش بود آغازِ بہار
آنکہ انوارِ نجابت می درخشید از رخش   آنکہ آثارِ رشادش از جبیں بود آشکار
آنکہ در کسبِ علوم آخر بپایاں برد راہ   گرچہ آمد سنگہا در راہش از لیل و نہار
در ہزار و سیصد و نہ ۱۳۰۹ کرد دنیا را وداع   پیش ازاں کز باغِ دنیا ہیچ چیند برگ و بار
پیش ازاں کز نخلِ سعیِ خویش افشاند رطب   پیش ازاں کز پائے وے بیمار آرد نوکِ خار
پیش ازاں کز ثمرۂ تعلیم گشتہ بہرہ ور   گل دماند سرپرستاں را براہِ انتظار
پیش ازاں کز عمر و از دولت نصیبے یافتہ   ہم نیارا یار گردد ہم پدر را غمگسار
آنکہ بودے چشمِ یاراں را فروغ از دیدنش   آنکہ گشتے از فراقش خاطرِ یاراں فگار
حیف کز یاراں فراقِ جاودانی برگزید   ناگرفتہ در جہاں چوں قطرۂ شبنم قرار
یارب او را کز جہاں شد با دلِ پر آرزو   جائے صدیقاں بود از لطف در دار القرار

آہ ازاں مخدوم خادم پرورے — مہرباں تر از پدر بر خادماں

آہ آہ آں خواجۂ مہماں نواز — از کرم منت پذیر از میہماں

آہ ازاں در شادی و غم پایدار — آہ ازاں در ناخوشی و خوش شادماں

قصہ کوتہ بود یک فرد فرید — کامدہ از وصف او قاصر زباں

از خرد پرسیدمش سال رحیل — گفت سال رحلتش مغفور داں

۱۳۲۶ھ

قطعہ[۱۵]

تو اے کہ رونق پیشینیاں بہم شکست — ز نظم و نثر تو کاندر زمان ما گفتی

چہ نغمہ ہا کہ بہ قانون فن وقت سنجیدی — چہ بذلہ ہا کہ باندازِ دلربا گفتی

رسید نشۂ عرفاں چو ذکرِ مے راندی — شگفت خاطرِ یاراں گر از صبا گفتی

دوید ریشہ بدلہا چو حرف مہر زدی — دمید نخلِ تمنا چو از وفا گفتی

گہر بہ بزم فشاندی اگر ثنا خواندی — اثر ز لفظ و ماندی اگر دعا گفتی

ہزار عقدۂ سربستہ باز بکشودی — ہزار نکتۂ پوشیدہ برملا گفتی

ز سیرِ تفرقہ و جمع قصہ ہا راندی — ز سیرِ انفس و آفاق رازہا گفتی

برآمد از دلِ بیگانگاں ترانۂ ذوق — بہ محفلے کہ سخن ہائے آشنا گفتی

لطیفہ ہا کہ بہ لفظ و بیاں نمے گنجید — تو چوں فرشتۂ غیب آمدی و واگفتی

بحقِ لطفِ کلامت کہ ہست بر دلِ ما — کہ پایۂ سخن افراشتند تا گفتی

---

۱۵ جس موقع پر یہ قطعہ لکھا گیا تھا اُسکے متعلق مفصل بحث یادگارِ غالب میں درج کردی گئی ہے۔ اِس قطعہ میں مرزا غالب مرحوم کی طرف خطاب کیا گیا ہے۔ اور جو مضامین اس قطعہ میں درج کیئے گئے ہیں اُنکا تاوقتیکہ یادگارِ غالب کے دیکھے اچھی طرح ذہن نشین نہیں ہوسکتا ۱۲

مُردنش گرچہ بہنگام نبود ست امّا　　عاقبت روزے ازیں جرعہ بباید چشید
مُرد و باخویشتن از خلق بجز خیر نہ بُرد　　ایں چنیں مرگ نکوتر ز حیاتِ جاوید

قطعہ در نوحۂ وفاتِ جناب مشیر الدّولہ خلیفہ سیّد محمد حسین خاں مرحوم برادرِ خُرد وزیر الدّولہ مغفور

آہ از مرگِ مشیر الدّولہ آہ　　آں عمادِ قوم و رکنِ خانداں
درسگاہِ قوم را پشت و پناہ　　دود مانِ پھُول را حرزِ اماں
آں بصورت انس و در سیرت ملک　　آں بدانش پیر و در ہمت جواں
آں بہ تدبیر و خرد بوزر جمہر　　آں بہ حزم و رائے سولُون زماں
آں بشورے یک مشیرِ پختہ کار　　آں بہ دیواں یک دبیرِ کارداں
در سیاست از مفاسد برکنار　　در دیانت از تعصب برکراں
آنچہ ملت دیدہ است از رحلتش　　باغِ خرّم مے نہ بیند از خزاں
آنچہ دولت را رسید از نہضتش　　کم رسد گلزار را از مہرگاں
عمرہا باید کہ خیزد مثلِ او　　بحرِ دے از سرزمینِ پھلکیاں
در کراچی چوں فراقش دست داد　　بود گوئی آں فراقِ جاوداں
تا گرفتہ دم زسیرِ سندھ آہ　　کوسِ رحلت کوفت زیں باغِ جہاں
منتظر بودیم از و پیغام را　　کامدہ پیغامِ مرگش ناگہاں
جز نکوئی در خصالِ او ندید　　ہیچکس ہم در عیاں ہم در نہاں
در صفا آئینۂ سرّش چوں علن　　از ریا پاکش نہاں ہمچوں عیاں

ترجیع بند

مرثیهٔ نواب مختار الملک سر سالار جنگ میر تراب علی خاں مرحوم مدار المہام سرکار عالی نظام کہ از طرف کمیٹی تعلیمی مدرسۃ العلوم علیگڈھ اشاعت یافتہ

دہشت ہر کس نزبان حسرت مختار الملک — کامد از در خبر رحلت مختار الملک
تا چہ افتاد پس از نہضت مختار الملک — بر سر حشمت و جمعیت مختار الملک

اے اجل گر تن بیجاں بتہ خاکش سپری
نتوانی کہ نکونامیش از یاد بری

لشکر از ماتم او چاک گریباں شدہ است — کشور از مردن او یکسر ویراں شدہ است
اے بسا چشم کزیں حادثہ گریاں شدہ است — حیدرآباد تو گوئی ہمہ بے جاں شدہ است

اے اجل گر تن بیجاں بتہ خاکش سپری
نتوانی کہ نکونامیش از یاد بری

منتے ہست ازو بر سر سرکار نظام — کہ بشکرش نتواں کرد بصد سال تمام
ہم ازو یافتہ عدلیت و مالیہ قوام — ہم بدو لشکر و ضبط علیہ پذیرفت نظام

اے اجل گر تن بیجاں بتہ خاکش سپری
نتوانی کہ نکونامیش از یاد بری

آہ کایں درد نہ دردیست کہ درماں دارد — ملک ازیں واقعہ لرزہ بہ ارکاں دارد
قوم ازیں واقعہ انگشت بدنداں دارد — تا فلک در پس ایں پردہ چہ پنہاں دارد

تو اے کہ ہر سخنِ نغزِ تو بدل جا کرد | جز آں کہ در حقِ حالی برمز وا گفتی
ہر آنچہ گفتۂ اندر جوابِ عرضِ نیاز | خطا بود کہ بگیرم اگر خطا گفتی
ولے بپژمردہ از حرفِ چند با خویشم | کہ گر نہ گفتہ ام آخر تو از کجا گفتی
عجب کہ قاعدہ دانِ نیاز مندی را | سفیہ و معجب و خود بین و خود نما گفتی
عجب کہ چاشنی اندوزِ خاکساری را | رہینِ ذوقِ نوا سنجیِ انا گفتی
عجب کہ مشتعلے را ز نقدِ ناسرہ اش | بہ زرق در گروِ عرضِ کیمیا گفتی
نہ راہِ حرف بسویت نہ جائے من بایست | جواب چیست اگر پرسم از کجا گفتی
اگر نہ روئے سخن با تو بود مے گفتم | چگونہ گفتی و چوں گفتی و چرا گفتی
ولیک شرطِ ادب نیست بر تو خردہ گرفت | ہر آنچہ در حقِ من گفتۂ بجا گفتی

قطعہ دیگر

تو اے کہ عذر فرستادۂ بہیچ رہی | سزد کہ جانِ گرامی بر آں نثار کنم
شکایتے کہ تواں گفت عینِ اخلاص | گرم تو دوست شماری ہزار بار کنم
نماند قاعدۂ شکرِ بے ریا بجہاں | اساسِ دوستی از شکوہ استوار کنم
چو شکوہ جز بہ تقاضائے دوستی نبود | ز غیر شکر و شکایت ز دوستدار کنم
سرشت پاک و دلِ صاف دادہ اند مرا | بحرفِ تلخ و لے خالی از غبار کنم
خوش آنکہ ساز کنم از تو شکوۂ بیجا | تو اعتذار کنی و من افتخار کنم
خوش آنکہ عذرِ تو چوں در کند مرا بزمیں | و گر بہ پیشِ تو تمہیدِ اعتذار کنم
بر آں سرم کہ اگر مرگ اماں دہد زیں پس ق | زکارہائے جہاں خاصہ ایں سہ کار کنم
ز کردہ توبہ نمایم ز گفتہ استغفار | دگر سپاسِ تو پنہان و آشکار کنم

تا بجائیکہ چو ایں نالۂ جانکاہ شنید　　حالیؔ گوشہ نشیں ہم ز جگر آہ کشید

اے اجل گر تن بیجاں تہ خاکش سپری
نتوانی کہ نکونامیش از یاد بری

قصیدہ در تہنیت عید الفطر بجناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مرحوم

صاحبا روز و شب بکامِ تو باد　　صبح نوروز و عید شامِ تو باد
عیدِ سالِ ہزار و سیصد و شش　　بر تو فرخندہ و بکامِ تو باد
شاہ نامیدہ آسماں جاہت　　آسماں مفتخر ز نامِ تو باد
شاہ کت ملک را سپردہ عناں　　نظم اوقات کم از قیامِ تو باد
شاہ از رائے تست فارغ بال　　خلق خرسند از نظامِ تو باد
آرزوہاست زندہ از کرمت　　فتنہ ہا مردہ از حسامِ تو باد
گنج معمور و ملک آبادان　　از بقائے شہ و دوامِ تو باد
قصرِ والا اساسِ ملکِ نظام　　محکم از پشتیِ نظامِ تو باد
ہرکہ در چارسوئے ملکِ نظام　　خیرہ و سرکش است رامِ تو باد
شرمساری عقوبتے است عظیم　　عفو رشت از خصم انتقامِ تو باد
در سیاست گرہ برابرویت　　خوشنما ہمچو لطفِ عامِ تو باد
برقِ تیغِ تو خشک و تر سوزست　　یارب آں برق در نیامِ تو باد
عدل زانسانکہ وجہ ہمتِ تست　　ہمہ در ضبطِ اہتمامِ تو باد
در قضایائے صعب ملت دیں　　شرعِ خیر الورٰی امامِ تو باد

اے اجل گر تنِ بیجاں تہِ خاکش سپری
نتوانی کہ نکو نامیش از یاد بری

چشمِ اسلام ازیں غصہ بجوں تر گردید — ملت از حالتِ پیشینہ زبوں تر گردید
علم و دیں کہ نگوں بود نگوں تر گردید — قیمتِ خواجہ پس از مرگ فزوں تر گردید

اے اجل گر تنِ بیجاں تہِ خاکش سپری
نتوانی کہ نکو نامیش از یاد بری

دوست تا دشمن او زو طمعِ یاری داشت — ملک از نیروے تدبیرش استواری داشت
دولتِ عہد ازو چشمِ وفاداری داشت — گردنِ قوم ز احسانش گرانباری داشت

اے اجل گر تنِ بیجاں تہِ خاکش سپری
نتوانی کہ نکو نامیش از یاد بری

آہ ازاں بذل و سماحت کہ نیابیش ہمال — آہ ازاں عقل و کفایت کہ نہ بینیش مثال
سپس از ہند چنیں مرد نہ خیزد صد سال — خاصہ از قوم کہ افتاد دراں قحطِ رجال

اے اجل گر تنِ بیجاں تہِ خاکش سپری
نتوانی کہ نکو نامیش از یاد بری

در علیگڈھ کہ نہادند عزیزاں بنیاد — درسگاہے کہ ز طوبے ثمرش باد زیاد
تا بہ گیتی بود ایں قصرِ ہمایوں آباد — خلق در یاد جوانمردیِ او خواہد داد

اے اجل گر تنِ بیجاں تہِ خاکش سپری
نتوانی کہ نکو نامیش از یاد بری

کیست در ہند کزیں غم لبِ حسرت نگزید — کیست از قوم کزیں غصہ گریباں ندرید

صاحبا عادتِ قومیست کہ در مدح و ثنا
هر یکے ساز کند نغمہ بہ آہنگِ دگر

آں یکے جز بہ مدیحت نہ کشاید لب با
تا بدانند کہ جز مدح ندارد در سر

واں دگر پیشتر از مدح ستاید خود را
تا فریبد دلِ ممدوح بہ اظہارِ ہنر

جمعے از شکوۂ گردوں سخن آغاز کنند
کہ شکایت بود از شکر بدل گشتہ اثر

قومے از مدح گرایند بہ تشبیب و غزل
کز نمک چارہ نباشد چو بخورند شکر

بعد ازیں طائفہ باشند کہ در وقتِ مدیح
دمبدم حسنِ طلب جلوہ دہند از ہر در

گر قصیدہ ست وگر تہنیت ایں ست شعار
نکتہ سنجاں را در مدحِ عزیزاں یکسر

منکہ جز خواجہ کم آلودہ ام اندر ہمہ عمر
دہنِ خویش بمداحیِ ممدوحِ دگر

لاجرم خامہ دریں مرحلہ پُر نابلدست
مے نداند کہ چساں طے کند ایں رہگذر

تہنیت خود سخنے بیش نباشد کہ درو
چوں بگویند مکرر نبود ہیچ اثر

ور بجز محمدتِ خواجہ شد راند حرفے
بتملق کندش دہر بہر شہر سمر

ور بعرضِ ہنرِ خویش دکاں بکشاید
ایں خرافت نبود طبعِ زماں را درخور

ور بہ تشبیب و غزل روئے سخن آراید
پست ایں زمزمہ ہا جز بہ جوانی اجدر

ور نہد بر طلبِ جائزہ بنیادِ کلام
کردہ باشد مگر از شرم و حیا قطعِ نظر

آنکہ از مائدۂ فیضِ تو ادرار خورد
وانکہ از نعمتِ تو بہرہ برد شام و سحر

دل رضا چوں دہدش کز تو عوض دارد چشم
بر سپاسے کہ ازاں ہیچگہش نیست مفر

خامہ رنجاست کہ از غایتِ حیرت زدگی
اندریں مرحلہ نشناختہ پا را از سر

پس ہماں بہ کہ کند ختمِ سخن را بدعا
کہ دمِ عجز بناہد بہ دعا مدحت گر

تا کنند اہلِ سخن مدحِ ملوک و وزرا
تا ملوک و وزرا مرجعِ فضل اند و ہنر

در امور عظام دولت و ملک | بخداوند اعتصام تو باد
مقصد خلق طوف درگه تست | پرسش حال شان مرام تو باد
ساز و برگ دعای مظلومان | مایهٔ عیش مستدام تو باد
بر زبان خلق را ستایش تست | در دل خلق احترام تو باد
ای مدار المهام ملک دکن | فتح دلها خود از مهام تو باد
تا بنوشند باده اندر جام | بادهٔ خوشدلی بجام تو باد
تا فشانند دانه در ته دام | دل عالم اسیر دام تو باد
هر شمیمی که ناگوار آید | دور پیوسته از مشام تو باد
هر نسیمی که از جنان خیزد | طرب انگیز در خیام تو باد
در جهان هر که هست چون حالی | طالب کام و ناز و نام تو باد

قصیده در تهنیت عید اضحی بجناب نواب آسمان جاه بهادر مدار المهام سرکار عالی نظام

عید اضحی که قرین باد و روزش ظفر | باد بر جناب سر عید رمضان فرخ تر
نائب السلطنه نواب بشیر الدوله | عمدة الملک فلک جاه امیر اکبر
آنکه برپا زده از نظم و سیاست جشنی | کز پی ملک سپر بوده ز هر فتنه و شر
آنکه از لطف و کرم کرده روان شهر و دهی | که خس و خار الم برده برون از کشور
آن سپهر شرف و مجد که در جاه و جلال | پایه اش برتر از آن است که گنجد بفکر
آن مه اوج کرامت که ز والا گهری | بی نیاز آمده از مدح چو ماه از زیور

ق

شکریہ مسٹر وٹن افسر محکمہ پرمٹ از طرف عزیزی انشاء اللہ خاں مرحوم دہلوی

فرزانہ امیر دادگر وٹن — کز داد و کرم زمانہ بنواخت
دستش بگرفت زود بر داشت — آنرا کہ فلک ز پا بر انداخت
بنواخت بقدر پایۂ او — آں را کہ زمانہ قدر نشناخت
اصلاح اوارۂ نمک کرد — ز انساں کہ زہر خلل بپرداخت
آوازہ فگند دادگیرش — زاں گونہ کہ زُرد زہرہ درباخت
ناخواستہ کام ما روا کرد — ناساختہ کار ہائے ما ساخت
از فیض نیازمندیٔ اوست — انشا کہ ز ناز سر برافراخت

قطعہ بر طبع دیوان منشی اقبال حسین صاحب متخلص بہ عاشق

چوں مرد آزادہ عاشق کہ نیست — در اقران خود کس مر او را قریں
نہ صیاد و ہموارہ از حسن خلق — پے صید آزادگاں در کمیں
نہ سحار و پیوستہ ز افسون نطق — کشد ز آشیاں باز و شیر از عریں
ہمے بارد از جبہہ اش انبساط — اگر مہربان است و گر خشمگیں
نہ بینیش گہ سر کہ بر ابرواں — نہ یابیش افتادہ چیں بر جبیں
دو سال است کافسون مہر و وفاش — ربودست صبرم ز جان حزیں
و لے دیر پیوند نا آشنا — کہ بودست فارغ ز مہر و ز کیں
ندانم کہ عاشق چہ افسوں دمید — کہ درباخت خود را بمہرش چنیں

باد اوصافِ تو از مدح و ثنا مستغنی ‌ ‌ ‌ گرچہ باشند بہ مدح تو عزیزاں مضطر

باد در سایۂ محبوب علیخاں ایمن ‌ ‌ ‌ دولتِ آصفی از ہر حدث و فتنہ و شر

قطعہ در سپاس لطف و کرم جناب کرنل ہالرائڈ و قتیکہ عنان ادارہ تعلیمِ پنجاب در دست ایشاں بود

اولاً شکر آنکہ فرمودی ‌ ‌ ‌ حاجتِ بندہ بے دریغ روا

ثانیاً عذر آنکہ چندیں بار ‌ ‌ ‌ آمدم از پئے صداعِ شما

آں شنیدی کہ گفت افلاطون ‌ ‌ ‌ رنج بُرد آنکہ در نکوئیہا

رنج او عاقبت بہ پایاں رفت ‌ ‌ ‌ لیک نیکی ہمیشہ ماند بجا

راست گویم گزاردن نتواں ‌ ‌ ‌ حقِ لطفے کہ کردہ بر ما

مے کنم ختم بر دعا گفتار ‌ ‌ ‌ کہ نیاید ز بندہ غیر دعا

ترتیب ماہ ہائے جلالی در نظم

آذر و دے بہمن اسفندار فروردیں بہشت ‌ ‌ ‌ باز خورداد ست و تیر ست امرداد ایجواں

باز شہریور سپس مہر ست و آباں بعد ازو ‌ ‌ ‌ ہر یک از ماہِ جلالی پیش تو کردم بیاں

فرد

چیدند خوان نعمتے چوں سیر شد دل از جہاں ‌ ‌ ‌ دادند آبِ زندگی اما پس از نزعِ رواں

دولتِ ہند ار نہ بودے حامیِ این درسگاہ　　　کوششِ بانی ہمہ برباد رفتے بیگماں
شکر للّٰہ کز میاں برخاست آں جنگ و خلاف　　　جملہ پیوستند بر امدادِ این کالج میاں
عاقبت مقبولیِ کالج بدیں غایت رسید　　　تربیت گاہِ غریباں شد گزرگاہِ شہاں
شکر ایں کہتر نوازی کز قدوم خویشتن　　　اہلِ کالج را فزودی آبرو و عزّ و شاں
گر نویسد پارہ زاں نیست یارائے قلم　　　ور بگوید اندکے زاں نیست نیروی زباں
پس ہماں بہتر کہ گردد بر دعا ختمِ سخن　　　زانکہ ناید جز دعائے خواجہ از مایندگاں
تا ز تعلیمِ است و تلقین دین و دنیا را فروغ　　　تا بود وابستہ با علم و عمل نظمِ جہاں
ملتِ افغاں ز تدبیر تو اندر علم و فن　　　گوئے سبقت بردہ - باد از جملہ ابنائے زماں
آں چناں کز نوعِ خود در زور و طاقت برتر است　　　ہمچناں در علم و حکمت باد ممتاز - از جہاں
تا بود خیر و صلاحِ خلق در صلح و وفاق　　　تا نہالِ دوستی بار آورد امن و اماں
اتحادِ دولتِ ہند و شدا و او - امیر　　　باد مستحکم بسانِ اتحادِ جسم و جاں

در شکر یاد آوری عالیجناب ہز ہائینس امیر الامرا آنریبل نواب سر سید علیخاں بہادر ستعد جنگ والیِ ریاستِ امپور دام اقبالہم

کیست یا رب کز دلِ آزادگاں　　　موج او جوشد چو از فوارہ آب
کیست کز ذکرِ جمیلش در جہاں　　　ہر کسے نادیدہ میخواند کتاب
کیست کز ذوقِ ثنایش در روات　　　خامہ مے رقصد چو برق اندر سحاب
کیست کز صیتِ نوالش چارسو　　　قانعاں را در دہن گردیدہ آب
کیست کز رویش برافتد گر نقاب　　　گوئی از مشرق بر آمد آفتاب

سررشتهٔ سیهات دادم ز دست | سخن ز آسماں بود و رفت از زمیں
کنوں رانم از طبع دیوان سخن | که شد جلوه فرما بنوعے گزیں
دریں روزہا کز صروف زماں | سخن شد مُہان و سخنور مہیں
عروس سخن سے نیرزد بہ جو | بحسن ار بود غیرتِ حور عیں
صد آباد بر عاشق و عزم او | که در دور نا سازگارے چنیں
ز مستی بہ بیگانہ و آشنا | فشاندست گنجینه از آستیں

قصیده در شان جناب مستطاب ہز مجسٹی امیر حبیب الله خاں والی دولت خداداد افغانستان خلد الله ملکه۔ وقتیکه برائے ملاحظه مدرسة العلوم در علیگڈھ نزولِ اجلال فرموده بودند۔ ایں قصیده در حضور ایشاں خوانده شده بود

مے رسد گر فرقِ عزت بگذرد از فرقداں | منزلے را که شاہے چوں تو باشد میہماں
گر به رقص آید در و دیوار کالج دور نیست | زیں طرب کامد به دیدارش امیر کامراں
دولتِ بیدار شفقت تا که شد مہمانِ ما | چوں تو مہمانِ عزیز قیصرِ ہندوستاں
زنده۔ کاش امروز بودے بانیِ ایں درسگاه | تا بدیدے پایه اش بالاتر از وہم و گماں
تا ہمه امیدہا کاندر دل خود بسته بود | از قدوم شه بچشم خویشتن دیدے عیاں
اے سراج ملت و دیں اے امیر ابن امیر | اے چو باب نامدار خویش شاہے کارداں
سنگ ہا کاندر رهِ تعلیم قوم آمد به پیش | داستانِ عبرت انگیزش نه گنجد در بیاں
قصه کوته جہل و دانش سالہا در جنگ بود | جہل میکوشید تا نگذارد از دانش نشاں

ترکیب بند

مرثیۂ جناب مستطاب جواد الدولہ عارف جنگ ڈاکٹر سر سید احمد خاں غفرلہ ۱۳۱۵ھ

بند اول

آہ ازیں تیرِ گذار اکز کماں انداختند — آہ کز یک زخم قومے نیم جاں انداختند
اے عجب کز حلیت فردے ز افرادِ بشر — عالمے را از قیامت در گماں انداختند
اے عجب کز مُردنِ یک پیرِ مردِ سالخورد — تاب و تب در کودک و پیر و جواں انداختند
اے عجب کز سوزِ اندوہِ وفاتِ مسلمے — مردمِ ہر کیش را آتش بہ جاں انداختند
سیّد اندر قوم نقدے بود اندر کیسہ — کیسہ خالی ماندہ و نقد از میاں انداختند
قوم را سرمایۂ مجد و علا از دست رفت — بعد ازاں کایں گنج را در خاکداں انداختند
نو بہار آید دگر در باغِ قوم امید نیست — بعد ازو طرحِ خزانِ جاوداں انداختند
تا قیامت گوئی از تاراجِ ما فارغ نشدند — کایں مصیبت بر سرِ اسلامیاں انداختند
اہلِ دیں بے یاور و دینِ مسکیں بے یار ماند — ہر گہ ایں آوازہ در ہندوستاں انداختند

رفت و با خود رونقِ بزمِ مسلمانی ببرد
ملت از مرگش بپژمُرد و مسلمانی بمُرد

بند دوم

آہ آہ از مرگِ دہر آشوبِ سیّد آہ آہ — آنکہ در ہر باب لائم قوم را بودے پناہ
عہد یاری کا و بملک و دین و دولت بستہ بود — تا ز تن جاں بر نیامد داشتے دائم نگاہ
مستقل تاراں اگر بودے ہمہ طوفانِ نوح — بر مثالِ کشتیِ نوح اندر و کردے شناہ

کیست کز خویش اگر حرفے رود — دفتر اخلاق شوقی باب باب
کیست کز وصفش اگر جویش نام — در زماں بر دل فرود آید جواب
شہ نشاں حامد علیخاں آنکہ نیست — جز نمودارے ز رویش ماہتاب
روئے او نور ضمیرش را گواہ — رائے او روے منیرش را جواب
خوئے او آمد دلیل خوے او — گرد لیلے با ید ت زو رو متاب
کیست کز اکسیر اگر پرسی نشاں — بشنوی خاک درش از دل جواب
چوں ز خلوت پا نہد در جلوہ گاہ — یا کند در بزم جمعے را خطاب
چشمہا از گوشہا سبقت برد — گوشہا بر چشمہا آرد شتاب
بردہ رہ گوئی بہ آب زندگی — ہر کہ از لطف کلامش کامیاب
جاوداں ماندہ ز راحت بے نصیب — ہر کہ از اعراض او در پیچ و تاب
بر دلم نادیدہ بند مہر اوست — اے خوشا روزے کہ برخیزد حجاب
مہرباں بر خود گمانش کردہ ام — تا چہ تعبیر آرد ایں فرخندہ خواب
اے سلف را میوۂ نخل امید — وے نیاگاں را دعائے مستجاب
در جہاں باشی سلف را جانشیں — تا خلف زیشاں بود نائب مناب
نام آبا زندہ باد از نسبتت — تا پسر جوید بآبا انتساب
تا حساب از عمر و از دولت کنند — دولت و عمر تو باد اے بے حساب

سلہ مسند نشینی کے چند سال بعد نواب ممدوح نے خاکسار کو رامپور میں یاد فرمایا تھا۔ اُس وقت اول یہ قطعہ بھیجا گیا تھا اُسکے بعد راقم خود

زخم پیکاں خوردن و مشتاق پیکاں زیستن

بند چہارم

در رہش جمعے بتقلید اسپ ہمت تاختند　　لیک چوں رفتند گامے چند دل در باختند
زود دانستند کایں سودا نہ ہر سر را سزد　　اہل دعوے کاندریں میداں علم افراختند
کار کار شیر مرداں ست کز سوز دروں　　بزم را افروختند و شمع ساں بگداختند
سیل از رہ تا دم آخر عناں را بر نتافت　　گرچہ در راہش بسے خار و خسک انداختند
بود یاراں را سپر تا بود در ہر شور و شر　　لیک یاراں بر سرش تیغ جفا مے آختند
خواجہ در فکر صلاح دین و ملت در گذشت　　لیک اہل دین و ملت قدر او نشناختند
جز ملامت ہیچ ننوشتند مزد خدمتش　　چوں بنامش قرعہ در روز نخست انداختند
آرے از عالم ندیدستند جز جور و جفا　　آں جواں مرداں کہ کار اہل عالم ساختند
آدمی ہا انگہ ز تخم مردہ خیزد اے شگفت　　کایں جہان مردمی زیں آب و گل چوں ساختند

حیف کاندر جمع مستاں ہوشیارے بود رفت
در زمین شور نخلے باردارے بود رفت

بند پنجم

گوئے از گردش فرو ماندہ است چوگاں را چہ شد　　کشتی از جا مے نہ جنبد موج عماں را چہ شد
دہ بہ ویرانی کشد وقت است دہقانش کجاست　　گلہ سرگرداں شود ز دست چوپاں را چہ شد
چیرہ شد سہراب بر ایراں رستم دستاں کجاست　　یافت فرصت اہرمن مہر سلیماں را چہ شد
تارک ہر کس ندارد تاب گرز روزگار　　بر نمی تابد سرے ایں تنگ سنداں را چہ شد
قوم را بیم عتاب و چشم رحم از کس نماند　　آں لب نفریں سرا آں چشم گریاں را چہ شد

عمرہا کوشید تا شوید غبارِ سوءِ ظن — گر نشیند از رعیت بر دلِ ارکانِ شاہ
چارہ ہا انگیخت تا طرحِ صداقت افگند (درستی ۱۲) — در میانِ حاکم و محکوم و سالار و سپاہ
کاروانِ قوم دور افتادہ بود از راہِ راست — رفت و از بے راہہ برگرداند و آوردش براہ
در مصافِ (جنگ ۱۲) دہر بودن دین و ملت را سپر — حج او این بود و اینش صوم این بودش صلوٰۃ
سید القوم است ہر کس قوم را خدمت کند — خدمتِ او بر سیادت بس بود او را گواہ
گرچہ از ما مے تواند صد چو سید آورد — آنکہ لعل آرد ز سنگ و لالہ از خاکِ سیاہ

لیک قومے کز فراز اندر نشیب افتادہ اند
باز ہرگز در نیابند آنچہ از کف دادہ اند

بند سوم

میتواں در فضل و دانش شہرۂ دوراں شدن — در فصاحت ہمچو سحباں در ہنر لقماں شدن
میتواں در جاہ و ثروت گوئے از قاروں بُرد — میتواں در زہد و طاعت غیرتِ صنعاں شدن
میتواں در مُلک و دولت خسرو و پرویز گشت — میتواں در زور و طاقت رستمِ دستاں شدن
میتواں قطبِ زماں شد میتواں شد غوثِ وقت — ہرچہ خواہی میتوانی شد بجز انساں شدن
چیست انسانی تپیدن از تپِ ہمسائگاں — از سمومِ نجد در باغِ عدن پژماں شدن
خوار دیدن خویش را از خواریِ ابنائے جنس — در شبستاں تنگ دل از محنتِ زنداں شدن
آتش قحطے کہ در کنعاں بسوزد باغ و کشت — بر فرازِ تختِ مصر از تابِ آں بریاں شدن
زیستن در شکرِ قوم و مُردن اندر بندِ قوم — گر توانی میتوانی سید احمد خاں شدن
میتواں مقبولِ عالم گشت اما ہمچو شیخ — بہرِ سودِ خلق مردودِ جہاں نتواں شدن

جورِ اخواں دیدن و در عشقِ اخواں زیستن

دبستان از مرگ نبود چاره وز فرقت مفر | چون زنان تا چند بودن بهر شبلی نوحه‌گر
جای استقلال و وقت همت مردانگی ست | کاین بلائی ناگهان را نیست جز همت سپر
در غم شبلی اگر از فرض خود غافل شوید | این مصیبت راست صد چندین مصیبت بر اثر
خواجه دار العلوم از بهر شما بگذاشته است | تا بود نسل شما از علم و دولت بهره‌ور
کوه را کنده است تا این جوی شیر آورده است | بو که آب رفته در جوی شما آید ز سر
ترسم این سرچشمه گردد تیره از سنگ خلاف | هان و هان وقت است وقت اتفاق همدگر
عزم جزم آرید و برخیزید و همدستان شوید | دست بگشائید و بربندید دامن بر کمر
شصت رنگین ست در هنگامه دستان تو هیچ | وه که چندین خلق درماند ز کار یک نفر
یادگار خواجه بعد از خواجه برپا داشتن | شکر او را خوب‌تر زین نیست اسلوبی دگر

مژده این بس که در اصلاح خود کوشید زود
کز شما غیر از شما مطلوب او چیزی نبود

قطعه در شکر صحت یابی شمس العلما مولانا شبلی نعمانی

لله الحمد پس از ناخوشی و رنج دراز | شبلی ما بمراد از سر بالین برخاست
آنکه نامش بکمالات سمر در گیتی است | آنکه مشهور در آفاق بشمس العلماست
آنکه گر سر کند افسانهٔ فضل و هنرش | خامه مشکل که بپایان بردش بی کم و کاست
آنکه خوانندش اگر فخر زمان خود و بس | کرده باشند عدول اهل سخن از ره راست
بود در علت او علت قومی مضمر | لاجرم صحت او بهر همه قوم شفاست
بسکه او روح دمیده است بتاریخ سلف | هر قدر فخر بذاتش بکند قوم رواست

پند این شیرین بیانان نمیگیرد به دل — آن زبان تلخ گو - آن تیغ عریان را چه شد
شد خزان وان بهاران نیست یاران را خبر — آن بهار بے خزان بزم یاران را چه شد
دل گرفت از خنده گل تا ببست از خنده لب — آن کلید قفل دل آن لعل خندان را چه شد
آن کرم بخشید جان آن باد نوروزی کجاست — آنکه مے بارید دُر آن ابر نیسان را چه شد

اے علیگڈھ آنکه کردت شهره در امصار کو
آنکه از خاکت بگردون برد آن معمار کو

بند ششم

آه ازان در پیشه صدق و صفا شیرین زبان — آنکه در سر و علن بودش یکے دل با زبان
آنکه چون دریا نبودے تیره از باران سنگ — آنکه از عزمش نه گشتے صورت کوه گران
(یعنی از عزم خود ۱۲)
بود در همت به بارجت متهم از راستی — آرے این باشد درین عالم سزاے راستان
یار جز علمش نبود و علم دانی نا درست — این چنین بے کس سزد کز جهل پُر از و جهان
(قلیل الوجود ۱۲)
بعد بیّل کز جفاے قوم گذشت از وفا — کیست تا باشد برین نامهربانان مهربان
خانه اش دانی یکے مهمان سرائے قوم بود — کیست مر این میهمانان را ازین پس میزبان
بعد ازو کاین دشت را گلزار کرد و رفت کیست — این بنا را حاضنان - این باغها را باغبان
(کفیل ۱۲)
سعی ما مشکل که بعد از خواجه ماند برقرار — جنبش از لعبت مجو - لعاب چون رفت از میان
(تیّل ۱۲) (بازیچه ۱۲)
جیش را افتاد این سر عسکر خطر دارد خطر — گله را بگسستن از چوپان زیان اندر زیان

رهروان را بعد ازین یا رب دلیل راه کیست
دیگر این بے دولتان را یار و دلخواه کیست

بند هفتم

الغصہ چاپ گشتہ ارزاں شدہ آں متاع — کانرا بہ نقدِ عمر خریدن ہمیتواں
پرسد اگر کسے ز تو تاریخ حالیا — گو نظمِ دلفریب بود سالِ طبعِ آں

۱۳ ھ ۱۲

تاریخ بنائے مکان سید عوض علی مرحوم رئیس جارچہ ضلع بلند شہر کہ حسبِ فرمائش برادرِ عزیز الوجود سید فیاض حسین مرحوم نوشتہ شد

کرد سید عوض علی تعمیر — ایں شبستاں برائے نزہتِ دل
چوں بہ پایاں رسید ہاتف گفت — سالِ ہجریش دانِ ظفر منزل
پس بجز لفظِ بے مثال فزوں — تا شود سالِ عیسوی حاصل

۵۸۳ + ۱۳۰۷ = ۱۸۹۰ع

قطعہ تاریخ تعمیر مسجد واقع سونی پت کہ باہتمام خواجہ محمد علی مرحوم خطیب پانی پت و اہل باقی نویس تحصیل سونی پت تعمیر یافتہ

محمد علی آں مددگارِ حق — کہ از مال و جان است بردیں فدا
کمر بستہ بریاریِ اہلِ دیں — بہ تعمیر ایں جامعِ دلکشا
پئے آنکہ زیں عہدہ آید بروں — کشیدہ بسے ماہ رنج و عنا
دگر جمعے از حق پرستانِ شہر — دریں کار با او شدہ ہمنوا
چو سالِ بنایش بجستم ز دل — بگفتا "صد و خوش کرد مسجد بنا"

۱۲ ھ ۹۳

تاریخ وفات محمد ابراہیم جوان مرگ طالب علم بی اے کلاس دہلی کالج

محمد براہیم چوں کہ جاں گفت — ز نخلِ جوانی ثمر برنخوردہ

زندہ تا دیر بماناد کہ برِ قوم کسے
بعد ازو خلعتِ تحقیق نمے آید راست

عیدی شب برات

تعالی اللہ شبے کاید درین شب
کساں را مقبل و مدبر نماید

اگر اقبال خواہی بندگی کن
کہ حلوا خوردنی را روئے باید

قطعاتِ تاریخ و مختلف مادّہ ہائے تاریخ

قطعہ تاریخ طبع دیوان میر مہدی مجروح دہلوی

مجروح آنکہ نامِ سلف زندہ است ازو
ذاتش بود غنیمت کبرے دریں زماں

دہلی کہ بود کانِ ہنر معدنِ کمال
امروز از کمال نیابی درو نشاں

جمعے کہ داشت سر بفلک از وجودِ شاں
رانند بار سوئے جنتِ ماوے یگاں یگاں

وانانکہ ماندہ اند ازاں جمع یادگار
لبیک مے زنند اجل را زماں زماں

غالب برفت و نیّر و آزردہ رفت و ذوق
مومن برفت و حسرتی و عارف از میاں

رفتند و جائے خود ہمہ خالی گزاشتند
کس برنخاست تا بنشیند بجائے شاں

مجروح ماندہ است ازاں جمع یادگار
یارب بدار از بدِ دورانش در اماں

کایں عندلیب قصہ ہمی خواند از بہار
ویں گل خبر ہمی دہد از عہدِ گلستاں

دیوانِ او کہ ریختہ را دورِ آخر است
خوش میزند صلا بحریفانِ نکتہ داں

کایں مے کہ واگزاشتہ میر و میرزا ست
مے بخشمش بہر جگر تشنہ رائگاں

تاریخ بنائے مہماں سرائے در موضع مون واقع پنجاب بسالِ عیسوی

بحرِ کرم آں وزیر چند کہ باقی ست — نام بزرگانِ مون بدل و نوالش
ساختہ منزلگہے چو بہر غریباں — تکیہ گہ ہر غریب آمدہ سالش

۱۸ ء ۷۴

تاریخ بنائے باغ در موضع تسہ ضلع مظفر نگر ترتیب دادہ سید فیاض علیخاں رئیس تسہ

رئیسِ نامور فیاض علیخاں — کہ نتواں کرد وصفِ او ز صد یک
بہ تسہ طرفہ باغے طرح انداخت — کہ در خوبی زند بر خلد چشمک
چو حالی سالِ ترتیبش ہمی جست — خرد فرمود باغِ نو مبارک

۱۳ ھ ۲۲

قطعہ تاریخ تعمیر چاہ بنا کردہ سید محمد ذکی رئیس سونی پت

بکند چاہ چو سید ذکی بہ سونی پت — ز خاک جوشش بزد آب صافی و شیریں
ندا رسید ز ہاتف بگوشِ حالیِ زار — کہ ہست سالِ بنا چشمۂ بہشت بریں

۱۳ ھ ۱۷

قطعہ بر وفات مولوی چراغ علی مرحوم

آہ آہ از رحلتِ بے گاہِ اعظم یار جنگ — کز میانِ رہ ز ہمراہاں عناں پیچیدہ رفت
حیف دنیا را بہ پنجہ سالگی کردہ وداع — بزمِ ما را بزمِ ماتم باز گردانیدہ رفت
مستفیداں پُر نہ کردہ دامنِ معنی ہنوز — مشتے از گنجینۂ لعل و گہر پاشیدہ رفت
از سحابِ فیضِ کلکش تا شدہ سیراب خلق — ساعتے برقِ یمانی از افق تابیدہ رفت

بگفتم زروئے الم سالِ فوتش	بجاں آفریں جانِ شیریں سپرده
۱	۱۲۹۴ھ ۱ × ۱۲۹۲

تاریخ بہ پایان رسیدن بنائے سیّد مہر بانعلی مرحوم رئیس گلاؤٹھی ضلع بلند شہر

علی آں سیّدِ والا کہ باشد	بنامش مہرباں جزوے زاجزا
بود باذاتِ او توام سیادت	چناں کز نامِ او مہر است پیدا
چو ایں کاشانہ را بنیاد بنہاد	بعہدِ حاکمِ بیدار و دانا
گروہِ آں فیض گستر زجودش	شد ایں معمورہ چوں گلشن سراپا
چنیں گفتش حالی سالِ تعمیر	مکانِ بے نظیر آباد بادا

۱۲ ھ ۹۹

تاریخ اورنگ نشینی حضور آصف جاہ نظام الملک سادس میر محبوب علیخاں بہادر فرماں روائے ملک دکن خلد اللہ ملکہ

بہ سالِ فرخ و ماہِ سعید و روزِ فرخندہ	نظام الملک محبوب علیخاں آصفِ ثانی
بہ تختِ سلطنت بنشست حالی گفت تاریخش	برائے وے مبارک تاج و اورنگِ جہانبانی

۱۳ ھ ۰۱

تاریخ رحلت جناب نواب ضیاء الدین احمد خاں صاحب مرحوم دھلوی رئیس لوہارو

ور داکہ ضیاءِ دینِ احمد بر بست	رختِ سفر از جہاں کہ جائے الم است
از طاقِ و ز ایوان و ز بزم و جلسہ[۱]	بگسستہ بہ رحمتِ الٰہی پیوست

۹۲۹ ؛ ۱۱۰ ، ۶۸ ، ۴۹ ، ۹۴ ؛ ۶۹۴

[۱] یہ تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ ۹۲۹ میں سے جو کہ ضیاءِ دینِ احمد کے اعداد ہیں ۳۲۱ جو کہ طاق ۱۱۰ - ایوان ۶۸ - بزم ۴۹ - جلسہ ۹۴ کے اعداد کا مجموعہ ہے تخرجہ کر کے باقی ۶۰۸ کو ۶۹۴ میں جو کہ رحمتِ الٰہی کے اعداد ہیں ملانے سے ۱۳۰۲ حاصل ہوتے ہیں (تسہیل کردی)

۱۱۰ + ۶۸ + ۴۹ + ۹۴ = ۳۲۱ ؛ ۹۲۹ - ۳۲۱ = ۶۰۸ + ۶۹۴ = ۱۳۰۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نثر فارسی

دیباچۂ سفرنامۂ حکیم ناصر خسرو متضمن سوانح عمری حکیم موصوف کہ بخلاف تذکرہ نگاران پیشین حقائق و قضیہ از سفرنامہ و دیوان شعر او استنباط کردہ بصحت ہر چہ تمامتر نوشتہ شدہ است

صاحب ایں سفرنامہ حکیم الٰہیین ناصر بن خسرو علوی از شعرائے قدیم خطۂ خراسان ست کہ بعلاوہ شاعری در علم و حکمت و فضل و دانش شہرۂ روزگار بودہ۔ مورخان و تذکرہ نگاران در شرح احوالش راہ تحقیق ناسپردہ و سرہ از ناسرہ باز ندانستہ پردہ ہائے تو بر تو بر چہرۂ مقصود فرو ہشتہ اند۔ و اگر ایں سفرنامہ و پارۂ از دیوان اشعارش بدست نیفتادے چارہ نبود از انکہ ما نیز بدنبال ایشاں دویم و راہ از بیراہہ باز نشناسیم۔

چندانکہ دریں قضیہ غور کردہ میشود چناں بخاطر میرسد کہ ہیچکس از معاصران حکیم فرو بتحریر حال وے نپرداختہ و سالہائے فراواں وقائع زندگانی او نانوشتہ ماند۔ باعث بریں بے اعتنائیہا آں تواند بود کہ فقہائے آں زماں از شیعہ و سنیہ چنانکہ عنقریب ذکر کردہ شود ناصر را از فرقۂ اسمٰعیلیہ[۱] گمان میبکردند و اسمٰعیلیاں را بہ لقب ملاحدہ و باطنیہ ملقب میداشتند

[۱] اسمٰعیلیہ طائفہ ایست از امامیہ کہ اسمٰعیل بن امام جعفر صادق را بعد آنجناب امام برحق دانند و گویند امام جعفر صادق

(بقیہ حاشیہ برصفحہ آئندہ)

عقدہا ناکشودہ ماند نکتہ ہا ننوشتہ ماند — بہر جوئے شیر کوہ بے ستوں کندید و رفت
کرد بے آزارِ خلق اعمالِ سلطانی ادا — نے زکس رنجیدہ و نے کس را برنجانید و رفت
یاورانِ قوم را تا زیست یاور بود و یار — ہر چہ بتوانست تائیدِ شاں کوشید و رفت
از دلِ پُر دردِ او گاہے صدائے برنخاست — مدتے چوں بحرِ کاہل در نہاں جوشید و رفت
طبعِ آزادش بہر ملت کہ بینی صلح داشت — در دلِ خویش و دلِ بیگانہ در گنجید و رفت
گر زید صد سال کس انجامِ او مرگ ست و بس — چوں شرر بر وضعِ دوراں میتواں خندید و رفت

قطعہ تاریخ وفات جناب خواجہ کرامت علی صاحب مرحوم جو حافظ محمد یعقوب صاحب مجددی کی فرمائش سے لکھا گیا تھا

شد کرامت علی ز دارِ فنا — ماند خلقے بہ گریہ و زاری
مغفرت وقفِ روحِ خواجہ کہ او — یافت رحلت بہ سالِ غفاری ۱۲۹۱

دبستان المذاہب سیصد و پنجاہ و نہ - و صاحب حبیب السیر سیصد و پنجاہ و ہشت معلوم میکنند اما این ہر سہ قول مردود است - بلکہ قول صائب آنست کہ رضا قلیخاں در تذکرۂ مجمع الفصحا؎۱ آوردہ و آں سیصد و نود و چہار ہست و چہار سن شعر در ترجمہ فرنساویہ خویش ہمیں قولِ اخیر را اختیار کردہ و بقولِ خودِ حکیم تمسک جستہ کہ در بعضے قصائد خویش میفرماید ؎

بگذشت ز ہجرت پس سیصد نود و چار
بنہاد مرا مادر بر مرکز اغبر

نیز فاطبۂ تذکرہ نویساں اصل حکیم را از اصفہان معلوم داشتہ اند - اما ہیچ دلیلے کہ مفید جزم باشد ذکر نہ کردہ بل بملاحظاتِ چند میتواں گفت کہ او را اباً عن جدٍ با اصفہان و دیگر بلاد از عراقِ عجم و پارس ہیچ تعلقے نبودہ و اسلاف و بزرگانِ او از عہدِ مامون ابن رشید یا بعبارتِ دیگر از زمانِ امام علی ابن موسی الرضا کہ جدِّ ہشتم ناصر خسرو بودہ ہمیں در صفحاتِ خراسان سکنے داشتہ اند و معمورۂ بلخ کہ تا زمانِ دراز دار الملک ولایتِ خراسان بودہ است باید مسقط الراس حکیم موصوف باشد چنانکہ خود گفتہ است ؎

اے بادِ عصر گر گذری بر دیارِ بلخ
بگذر بخانۂ من و آنجا بجوے حال

و ہمچنیں در بسیارے از اشعارِ خود چنانکہ ہر کس را در عالمِ غربت و دوریِ وطن اتفاق افتد بر مفارقت خراسان و اہلِ خراسان دریغ خوردہ است و نیز در سفرنامہ عبارات بسیار است کہ برہمیں معنیٰ دلالت واضح دارد - بالجملہ سلسلۂ نسبش بہفت واسطہ تا بہ امام ہمام علی ابن موسی الرضا علیہ التحیۃ والثناء کہ در مشہدِ مقدس مدفون و بہ شاہ خراسان معروف است منتہی میشود - بعد از حفظِ قرآنِ مجید کہ

؎۱ ایں تذکرہ از تالیفات امیر الشعراء رضا قلیخاں متخلص بہ ہدایت است کہ در سال سنہ ۱۲۹۵ ہجری در دار السلطنت طہران چھاپ شدہ و دریں ایام بہندوستان رسیدہ است ۱۲ ؎۲ عراقِ عجم و پارس نام دو ولایت از ممالک ایران ہست و تمامی مملکت ایران را کہ پارس میگویند مجاز است ۱۲ حالی

پس غالب آنست کہ تا زمانِ دراز احدے از فریقین بسبب تنافرے کہ از تعصب خیزد بنگارش ترجمۂ حکیم موصوف میل نکردہ باشد۔ اما چون در قرون لاحقہ دیوان اشعار و دیگر تصانیفش در اطراف ممالک انتشار یافت و معتقدانِ او از حوالیِ کوہستانِ بدخشاں کہ مرقد حکیم در آنجا است فوج فوج ظاہر شدند آنوقت بود کہ اربابِ سِیَر بتفحص اخبار و آثارش پرداختند۔ لاکن رطب و یابسے کہ یافتند یا از افواہِ عامۂ ناس شنیدند بے تأمل حوالۂ قلم نمودند و افسانہائے کہ معتقدانِ وے از قِبَل خود تراشیدہ بر حکیم بستہ بودند آنرا از افاداتِ حکیم دانستہ بے آنکہ بر مصنفاتِ وے عرض کنند و صواب از خطا باز شناسند بنقل و روایتش مبادرت کردند۔ و ازیں جہت اغتشاشے عظیم در ترجمۂ حکیم سابق الوصف راہ یافتہ و پے بہ سرِّ کار بردن بغایت مشکل افتادہ اگرچہ دریں روزہا چارلس شیفر نام یکے از افاضل اروپا[۵۱] احوالِ ناصر خسرو را در لغتِ فرانسہ بالبسط ہرچہ تمامتر نوشتہ است اما بسبب اجنبیت زبان فرانسہ کلیۃً نمیتواں گفت کہ چہ قدر از عہدۂ تحقیق بیرون آمدہ و تا کجا داد تنقید[۵۲] دادہ است۔ بنا بر علیٰ ذٰلک در ذکرِ احوالش از مقالاتِ قوم بر ہماں قدر کہ معقول و قابلِ جزم[۵۳] است اکتفا خواہد رفت و باقی آنچہ از کلامِ خودش میتواں استنباط کرد نوشتہ خواہد شد۔

اول اختلافے کہ کردہ اند در تعیینِ سالِ ولادت اوست۔ حمد اللہ مستوفی قزوینی در تاریخ گزیدہ سال سیصد و ہشتاد و پنج از ہجرت خاتم النبیین صلعم ضبط کردہ است و مصنف

(بقیہ صفحہ ۵۳) امامت را بدو تفویض فرمود داشت چنانکہ در اسمٰعیل ہیچ نسلِ جاریہ را انباز نساخت چنانچہ نبی صلعم تا خلف و علی با فاطمہؓ۔ نیز اسمٰعیل را خاتم الائمہ دانند و بانشش امام لاحق کار ندارند و گویند مدار امامت بر ہفت است مانند ہفت روز و ہفت آسمان و ہفت سیارہ ۱۲ حالی

(صفحہ ہذا) [۵۱] یورپ را معرب کردہ اروپا میگویند ۱۲ [۵۲] تنقید بمعنی نقادی ۱۲ [۵۳] یقین ۱۲

بعد از شیخ الرئیس اکثرے از حکمائے اسلام کہ ملازمتِ حکام و اربابِ فرمان اختیار کردند ہمہ اقتدا بہ شیخ کردند۔" از انجاکہ اصل شیخ ابو علی[1] و ناصر خسرو از بلخ بودہ است و عروجِ شیخ بمعارج حشمت و جاہ کہ در دولتِ آلِ بویہ او را دست دادہ ناصر را در عین شباب مسموع افتادہ باشد[2] و نیز ناصر خسرو بجزم و یقین دانستہ کہ اینہمہ شہرت و عزت باشد شیخ جز بہ قرب سلاطین ہرگز صورت نبستہ لاجرم حکم میتواں کرد کہ اینہمہ اسباب ناصر خسرو را بخدمتِ آلِ سلجوق مائل کردہ و از گوشۂ عزلت بدار الملکِ مرو کشیدہ باشد۔ اگرچہ ناصر خسرو چنانکہ بعد ازیں گفتہ شود وی دست کشیدہ کہ از خدمتِ چغری بیک آزاد شدہ دیگر پیرامونِ آں نگردیدہ امّا برادرش خواجہ ابو الفتح عبد الجلیل در عہدِ طغرل بیک و پسرش خواجہ معین الدین در زمانِ ملک شاہ سلجوقی تا زمانِ ممتد ملازم دیوان و معتمد درگاہ بودہ اند۔

علی الجملہ تا سال چہار صد و سی و ہفت ہجریہ کہ چہل و دو سال از عمر ناصر خسرو گذشتہ بود روزگارش در خدمتِ امیر چغری بیک ہم برین منوال بود تا آنکہ داعیۂ سفر حجاز چنانکہ در سفرنامہ وا نمودہ است او را از جا بر انگیخت و از مشاغل دیوانی بکلّی دست شست تمامت اسباب جاہ و حشمت را پدرود گفت و کہین برادرِ خود ابو سعید و یک غلام را ہمراہ گرفتہ رحلتے کہ رودادِ آں دریں سفرنامہ رقم کردہ اختیار نمود و از بلادِ خراسان و عراقِ عجم و آذربائیجان بہ آرمینیہ رسیدہ و از آنجا بہ شام و فلسطین و عراقِ عرب عبور دادہ در موسمِ حج وارد مکہ محترمہ شد۔ بعد ازیں بمصر رفت۔ و قریب سہ سال در آنجا اقامت داشت۔ و در زمانِ اقامتِ مصر دو بار بہ حج بیت اللہ و زیارت روضۂ منورۂ جنابِ رسالت مآب شرفہا اللہ تشریفًا در حجاز آمدہ باز بمصر

---

[1] پدر ابو علی از عمالِ بلخ بود و در ایام سلطنت نوح سامانی بجانب بخارا رفتہ و ابو علی ہم در آنجا در ۳۷۳ ہجری متولد شدہ۔ ۱۲

[2] ولادت ناصر خسرو بعد از ولادتِ ابو علی بہ بست و یک سال بودہ و درسالیکہ شیخ وفات یافتہ ناصر خسرو سی و سہ سالہ بودہ۔ ۱۲ حالی

گویند در سن نه سالگی بدان مشرف شده سالهای دراز بتحصیل علوم متعارفه از معقول و منقول
و علوم غریبه فنون متنوعه از نجوم و رمل و سائر و انشها که در آن روزگار از جمله کمالات شمرده میشد
و بمجلس رابدون آنها فرزانه و حکیم نمیخواندند مشغول بود - گویند ورای علوم دینیه و فنون حکمیه
که میان اهل اسلام دائر و سائر بود بر کتب مقدسه از توریت و انجیل و مجموع صحف انبیا نیز
اطلاع تمام داشت حتّی اینکه فضلای یهود و مسیحیه آن کتاب ها را از و اخذ میکردند - و آنچه از
کلام خودش در سفرنامه مستفاد میشود اینقدر هست که غالباً از لغت و خط عبرانی بیخبر نبود چه در
ذکر فلسطین مضمون بعضی کتابها که به خط عبری نوشته بودند شرح داده و بیان کرده است
مع القصه بعد از رسوخ در کمالات علمی سالها بر محصلین درس میگفت و بکشف معضلات و فتح مغلقات
از دقائق عقلیه و مسائل نقلیه مشغوف بود تا آنکه بتقریبی از بلخ به مرو شاهجان که امروز مطمح نظر
دولت روسیه است شتافت - مرو اگرچه الحال از تاتار مطلق العنان محسوب میشود فاما در زمان
پیشین از بلاد معتبره ممالک خراسان و پایتخت سلاجقه بوده است در عهد سلاطین عجم و هم در دولت
اسلامیه اکثری از علما و حکما از اینجا برخاسته اند - بالجمله کار ناصرخسرو در مرو بالا گرفت - از وقت
طغرل بک سلجوقی در نیشاپور و کهین برادرش جغربک در مرو بر مسند حکومت جا داشتند ناصر
را در خدمت جغربک قرب اختصاص بهمرسیده در سلک پیران دولت منسلک شد و چنانکه
خود در سفرنامه میگوید از جملهٔ متصرفان در اموال و اعمال سلطانی و متصدی مهمات دیوانی گشت
از تاریخ تمدن اهل اسلام لائح میشود که در قرنهای پیشین کسانی که بلقب فلاسفهٔ اسلام
ملقب بوده اند قاطبةً روزگار به ترک و تجرید میگذرانیدند و هرگز تن بخدمت ملوک و سلاطین
در نمیدادند - و اوّل کسیکه از میان ایشان خدمت ملوک را اختیار کرد شیخ الرئیس ابوعلی ابن
سینا بود که غالب ایام حیاتش در وزارت آل بویه بسر آمده - صاحب روضة الصفا مینویسد که

قطع کردہ میروند باز اصلاً بہ سفر عراق عادت ندارند بلکہ آنرا از خصائص متشیعین می پندارند مع الحدیث از قراریکہ مذکور شد مدتِ سیر و سیاحتش بہ ہفت سال میکشد و چنانکہ از سفرنامہ معلوم گردد مسافت راہ در آمد و شد غیر از آنکہ باطراف و جوانب بزیارتہا رفتہ موازی ہفت ہزار میل انگلیسی قطع کردہ و از انواع مشقت ہا و زحمت ہا انچہ مقدور ہر بشر نباشد تحمل نمودہ و چون صعوبت و دشواری راہہائے آن صفحات خاصہ در روزگار پیشین ملاحظہ شود آن ہمہ زحمت و مشقت یک بر دہ میشود۔ ازینجا اندازہ توان کرد کہ در قرنہائے اولین چہ قسم مردان اولو العزم و باہمت از ملتِ اسلامیہ برخاستند و چہ قدر بر سیر و سیاحت حریص بودند گویند اہالی مغرب زمین در ممالکِ بعیدہ سفر کردن و سفرنامہ ہا نوشتن از مسلمانان آموختہ اند۔ اما این سخن امروز باور نمیتوان کرد۔ چہ با اینہمہ سہولت ہا کہ در سفر بحر و بر از اختراعاتِ اروپا ہر کس را میسر است قومے در عالم نیست کہ چون مسلمانان ولاسیما مسلمانانِ ہند ملازم خانہ و دلدادۂ وطن و بیخبر از احوالِ بلاد بودہ باشد۔

صاحب روضۃ الصفا و حبیب السیر چنان وانمودہ اند کہ اسیر ناصر آوازۂ حسنِ سیرت اسمٰعیلیہ را شنیدہ از خراسان بمصر رفتہ بود۔ اما در سفرنامہ ہیچ اظہار این قسم خواطر نہ کردہ۔ لیکن کہ از خوف ابنائے زمان سکوت ورزیدہ باشد۔ زیرا چہ کافۂ اہل سنت و متشیعہ فرقۂ اسمٰعیلیہ را از فرق ضالہ مے شمردند و خلفائے مصر را کہ ائمہ ایشان بودند دوست نمیداشتند۔ بلکہ تفسیق و تکفیر ایشان میکردند۔ ازینجاست کہ ناصر خسرو با آنکہ ستہ سال در مصر اقامت ورزید و ارادۂ آن داشت کہ مدتِ عمر ہم در آنجا بسر آرد باز در تمامی سفرنامہ اظہار این معنی نکردہ کہ باعث اینہمہ دلبستگیہا چہ چیز بودہ است۔ باید دانست کہ خلفائے فاطمیین ہموارہ داعیۂ آن داشتند کہ بایۂ صولت و اقتدار خویش بر ممالک آسیا اندازند و عظمت و بزرگی خلفائے بغداد را از قلوب

مراجعت کرد - در روضة الصفا و حبیب السیر و دبستان المذاهب چنیں نوشته اند که هفت سال در مصر مقیم بود و هر سال حج میرفت اما آنچه در سفرنامه تصریح رفته است تکذیب آن میکند. مع القصه دراں ایام مستنصر بالله فاطمی عبیدی که مشهور ترین خلفائے فاطمیه است و شصت سال بر اریکهٔ خلافت متمکن بود حکومت مصر را داشت - آنچه از سفرنامه مستفاد میشود اینقدر است که حکیم را که با یکے از دبیران سلطنت مصر دوستی پدید آمده بود یک بار بتوسط وے در قصر خلافت رسیده عمارتها و صفه ها و ایوان ها را مشاهده نموده است - اما هیچ ذکر آن نکرده که در مجلس امیر المومنین المستنصر بالله باریاب شده یا نه و لاکن بشهادت قرائن صادقه که عنقریب بکشف آن میپردازیم بجزم و یقین میتوان گفت که مستنصر او را مراعات بسیار کرده و تخم محبت یا عقیدت خویش در دلش نشانده بود ٭

بالجمله در سال چهار صد و چهل و یک از مصر بازگشته بعد گذاردن حج سوئمین در اطراف حجاز و یمن بگردید - و باز از راه لحسا و بصره و خلیج عجم به پارس و از آنجا بحدود خراسان رسید و در سال چهار صد و چهل و چهار وارد بلخ شد ٭

از دیدن سفرنامه معلوم میشود که حکیم موصوف را در ایاب و ذهاب دو بار از عراق عرب مرور اتفاق افتاده اما هیچ تصریح آن نکرده که در عتبات عالیه از کربلا و نجف و کاظمین بزیارت رفته یا نه و همچنین از هیچ کسے خود را شیعه و دلدادهٔ خاندان نبوت وانماید استبعادے تمام دارد غالب آنست که دراں ایام زیارت ایں مشاهد متبرکه از علامات تشیع یا از امارات تفضیل شمرده میشد. پس اگر کسے از مخلصان حضرت رسول مقبول قصد آں صفحات مینمود هرگز اعلان آن نمیکرد تا از تشنیع نواصب مقتدر که با محبان آل رسالت و اهل بیت بودند محفوظ توانند بود - و از انجا است که برادران ما از اهل سنت و جماعت تا امروز باآنکه بمزارات اولیائے امت منازل بعیده

و خود را از ہر کس بہتر یافتم۔ با خود گفتم البتہ کسے[۵۱] میباید کہ از ہمہ خلق بہتر باشد۔ چوں باز از مرغاں و شتر از بہائم و خرما بن از درختاں و یاقوت از جواہر و یا مانند قرآن از کتابہا و کعبہ از بناہا و دل از اعضائے بدن، و خورشید از ستارگاں۔ پس از جائے برخاستم و سفر پیش گرفتم۔ و من بعد از خانہ و گلشن و منظر ہیچ یاد نہ کردم۔ پس حاجت خویش از پارسی و تازی و ترکی و سندی و ہندی و رومی و عبری و فلسفی و مانوی و صابی و دہری درخواستم و مکرر سوال کردم۔ بسیار از سنگ بستر و بالیں ساختم و بسیار از ابر خیمہ و چادر کردم۔ گاہے بزمینے رسیدم کہ آب آنجا ہمچو مرمر منجمد بود و گاہے بر سر کوہے برآمدم کہ از دو پیکر بلند تر بود۔ گاہے مانند شتربان ریسمان در گردن و گاہے مانند استر بار بر پشت۔ ہمچنیں از شہر بہ آں شہر و از اینجا بہ آنجا پرسندہ و جویندہ ہمی رفتم۔ بعضے گفتند کہ شریعت بہ عقل راست نمے آید زیرا کہ اسلام بہ شمشیر[۵۲] قوت گرفتہ است۔ اما ایں سخن بہ تقلید ایشاں قبول نکردم و از حجت و برہان قطع نظر نہ نمودم زیرا کہ حق بتقلید میسر نمیشود۔ بارے چوں خدا خواہد کہ درے از رحمت بکشاید ہمہ دشواریہا آسان گردد۔ آخر بدر شہرے[۵۳] رسیدم کہ آنجا اجرام فلکی بندہ و چاکر و تمامی آفاق مسخر بود۔ صحرائے آنجا مانند دیبا پر نقش و نگار بود و آب آنجا مانند کوثر و عسل صافی بود۔ منازل آں شہر غیر از علم و فضل و صنوبر آں باغ غیر از عقل و خرد نبود۔ شہرے بود کہ حکمائے آنجا ہمہ حریر و دیبا میپوشیدند نہ (مانند فقہائے خراسان) بافتہ پشم بادہ و نرد در بر میکردند۔ چوں در آں شہر رسیدم خرد با من گفت کہ بیا و حاجت خود طلب کن و از اینجا مگذر۔ پس من نزدیک پاسبان[۵۴] آں شہر رفتم و راز خویش بگفتم۔ گفت

---

[۵۱] مراد از آں جستجوے امام زمان ہست ۱۲ [۵۲] ایں سخن تعریض ہست بہ سلطنت غزنویہ و سلاجقہ کہ ملک بقہر و استیلا گرفتہ بودند۔ بخلاف علویہ مصر کہ در عقیدۂ خود کش برحم و انصاف از سائر بادشاہان اسلام امتیاز داشتند ۱۲ [۵۳] مراد از آں شہر ملک مصر است کہ مستنصر باللہ حاکم آنجا بود ۱۲ حالی [۵۴]۔ مراد از پاسبان آں شہر مستنصر باللہ است ۱۲ حالی۔

اہالی مشرق محو کردہ ایشاں را بسوئے خویش مائل سازند خاصہ مستنصر باللہ کہ شصت سال متصدی
امر خلافت بودہ فرصت ایں کار بیشتر از خلفائے ماضیہ او را دست دادہ بود و ہموارہ از طرف
او جماعۂ بیش از بیش دعاۃ درین صفحات میرسیدند تا مردم را بہ روش اسمٰعیلیہ دعوت کنند و حکومت
مصر را در لباس مذہب رونق دہند و عاقبۃ الامر ظہور مساعی مستنصر بتوسط بساسیری[1] در بغداد
و حسن صباح[2] در خراسان آنچناں شدہ کہ ہر کس بہ رائے العین مشاہدہ کردہ - پس احتمال میرود
کہ ناصر خسرو را بجہت ایں مقصد فخیم برگزیدہ در مصر طلب داشتہ باشند کہ ہم از روئے نسب با خلفائے
مصر خویشی داشت و ہم از روئے عقیدت شیفتہ و دلدادۂ خاندان نبوت بود و بعلاوہ علم و فضل
بر رموز سلطنت نیز وقوفے بہم رسانیدہ و مدتے در دولت آل سلجوق بہ تکفل مہمات دیوانی بسر آوردہ
چنانچہ در بعضے از قصائد خویش کہ رودادِ سفر بیان کردہ است مے فہماند کہ باعث سفر مغرب
جز شوق لقائے مستنصر باللہ چیزے دیگر نبود و ما مضمون قصیدۂ مذکور را بایں وجہ بتلخیص در اینجا
ذکر کنیم کہ خالی از ذوق نخواہد بود - میگوید "سال سیصد و نود و چار از ہجرت گذشتہ بود کہ مادر مشفق
مرا بر خاک نہاد - آنوقت بالندۂ بے شعور مانند رستنی بودم کہ از خاک سیاہ و آب مقطر بار آید
باز از درجۂ نباتی بمرتبۂ حیوانی رسیدم و روزے چند چوں مرغکِ بے پر اینچنیں بودم تا آنکہ بحالت
چارمیں رسیدم و ناطقہ در جسم مکدر راہ یافتہ و اثر مردمی ظاہر شدہ - چوں عمر من بچہل و دو رسید

---

[1] بساسیری غلامے بود از غلامانِ بہاء الدولہ دیلمی شجاع باہمت کہ باعانت مستنصر تا یک سال قائم بامر اللہ عباسی را محبوس داشتہ و فرمود تا در بغداد خطبہ بنام مستنصر خوانند ۱۲

[2] حسن صباح سر حلقۂ اسمٰعیلیہ مشرق است کہ در اواخر عہد خلافت مستنصر در سنہ ۴۷۱ ہجریہ بمصر رسیدہ مورد عنایات مستنصر شد و بعد از وفات وے در سائر بلادِ عجم بگردید و مردم را بامامت نزار ابن مستنصر دعوت کرد و خلقے کثیر را بمذہب اسمٰعیلی متمذہب ساخت و جمعے را بقلعۂ الموت و نواحی قہستان بجہت اشاعت مذہب فرستاد و آخر تمامی بلاد رودبار و قہستان و غیر ذلک در حیطۂ تصرف آورد کہ موازی صد سال حکومت اسمٰعیلیان در آں صفحات در ترقی بود تا آنکہ در سنہ ۶۵۴ بدست ہلاکو خان نبیرۂ چنگیز خان مغل مستاصل گشت ۱۲ حالی

براو القا کرده آنچناں رازہائے سربستہ بود کہ ناصر خسرو کشف آں نمیتوانست کرد و نیز
ازیں قصیده مستفاد میشود کہ مقصود وے از زیارت مستنصر جز اکتساب سعادت و
تحقیق راه حق و کشف معضلات مذہب و رفع وساوس قلب چیزے دیگر نبود - و چوں
در سفرنامہ دیده میشود کہ حکیم موصوف ہنگام معاودت از مصر بغایت تنگدست بود و در
عرض راه چند جا بمعونت دیگراں محتاج شده بضرورت میباید تسلیم کرد کہ مطلب وے ازیں
سفر دور و دراز طلب جاه و دولت نبود و قصائد بسیار کہ در مدح مستنصر باللہ انشا کرده
آنچناں نیست کہ شعرائے متملق و چاپلوس در ستایش اہل دنیا وضع کنند بلکہ از تمامی
مدائح وے کہ تا نفس واپسین در حق مستنصر نوشتہ ثابت میشود کہ او را با کمال صدق و
یقین و نہایت خلوص ارادت امام مفترض الطاعۃ میدانست ۔

بالجملہ سرگذشت حکیم از آنوقت کہ سفر وے بپایاں رسید تا آں زماں کہ مردم خراسان
او را بہ زندقہ و الحاد متہم کرده بقصد وے برخاستند و از آنجا گریختہ بکوہستان بدخشاں افتاد
در پرده اختفا است - اگرچہ بعضے از وقائع نسبت بحکیم چناں نوشتہ اند کہ میتواں گفت بعد از
سفر مغرب و جلائے وطن مراو را رو داده باشد چوں رسیدن بہ بغداد و گیلان و رستمدار
و مدتے با علمائے آں دیار بحث کردن و ہنگام مراجعت بصحبت شیخ المشائخ ابوالحسن خرقانی
فائز شدن و بر دست شیخ بیعت نمودن و چند مدت در خدمت ایشاں روزگار گذرانیدن
و امثال ذلک اما ہیچ ازینہا در نظر تحقیق وثوق را نشاید - بہرحال ہنگامۂ خلاف اہل خراسان
را بعضے چنیں نوشتہ اند کہ او را کتابے است مسمّٰی بہ روشنائی نامہ کہ از آفرینش عالم و
حقیقت روح و اسرار تکوین در آں کتاب سخن رانده است و حرفہا سروده کہ بر زندقہ و الحاد قائل
دلالت دارد و ازیں سبب خلقے برخلاف او کمر بستند - و چوں دیوان او را ملاحظہ کنیم

اندوه محور این شهر چرخ برین است پُر از اختران بلند بلکه بهشت است پُر از پیکرہائے دلربا
گفتم که مرا نفس ضعیف ز نژند شده است۔ پس بر درستی تن و سُرخی رنگ من منگر۔ من دارو
بے حجت و برہان نمیخورم و از درد نمے اندیشم و قول منکر نمیشنوم۔ گفت اندوه مبر که من درینجا
طبیبم۔ پس علت خود پیش من شرح کن۔ من از اول و آخر و علت و معلول و جنس و صنعت و
صورت و قادر و تقدیر و مقدر سوال کردم۔ چوں آں مرد دانا این سوالہا از من گوش کرد دست
قبول بر سینۂ خویش نهاد (که رحمت خدا باد برآں دست و برآں سینه) و گفت آرے دارو با حجت
و برہان دہم۔ اما مُہرے محکم بر لبت بہ نہدم۔ باز بر شربتے که مراد او دو گواه از انفس و آفاق
حاضر کرد۔ پس من آں دارو را قبول کردم۔ و او مُہرے سخت بر دہانم زد۔ و ہر روز بتدریج
چارۂ کار من ہمیکرد۔ تا آنکه مشتِ خاکِ مرا مانند یاقوت منور ساخت۔ اینک یاقوت منم
و آفتابِ من کسے است که از فروغ وے این عالم ظلمانی روشن است۔ خوشا شہرے که
پاسبانش چناں باشد و خوشا کشتی که لنگرش چنیں بود۔ اے آنکه علم را صورت و
فضل را جسم و حکمت را دل و مردمی را ثمره و نازش را افتخار بودہ۔ من که با جامۂ پشمین و کالبد لاغر
و گونۂ اصفر پیش در پیش تو ایستاده ام۔ الحق که بعد از حجر الاسود و خاک پیمبر جز بر دستِ تو
لب ننهاده ۔ من بعد تا وقتیکه زنده ام و ہر کجا که باشم جز بر شکر تو قلم و کاغذ و دوات
نه رانم"+

از سیاقتِ بیان این قصیده چند نتیجه استنباط میتواں کرد۔ یکے آنکه فی الواقع
ناصر خسرو آوازهٔ حسن سیرت مستنصر بالله را شنیده سفر مغرب اختیار کرده بود۔ و نیز از
طرزِ حکومتِ خراسان و طریق علمائے آنجا کراہتے میداشت۔ و احترامِ خویش به قدر فضل و کمال
و بزرگی و سیادتِ خود از اہلِ وطن توقع نداشت۔ و سخنانے که مستنصر بالله ہنگامِ ملاقات

نموده. و چنانکه از مضمون قصیدهٔ مذکوره بصدر مستفاد میشود میباید به دعوتِ روشِ اسمٰعیلیه و نشرِ مناقبِ ایشان اقدام کرده باشد. و نیز در یک قصیدهٔ فخریه بدیں مطلب اشعارے کرده است جائیکه میگوید ؎

از پیر انظیرم کسے در نیابد — که بر راے آں رہبرِ بے نظیرم
نه بس فخرم آں که امامِ زماں را — سوئے عاقلانِ خراساں سفیرم

پس علمائے خراسان و ماوراء النهر که با خلفائے بغداد از غایتِ عصبیت دوستی داشتند و علویهٔ مصر را غاصبِ خلافت و ضال و مضل مے شمردند ابتدا ایں صدائے غریب را گوش کرده با حکیم در آویخته باشند. اهالی ملک و ولاة عهد را بخلافِ وے برانگیخته. حکیم نیز در بعضے اشعارِ خود دشمنی اهلِ خراسان را بر دوستی اهلِ بیت بنا نهاده است جائیکه میگوید ؎

گرچه مرا اصل خراسانی است — از پسِ پیری و مهی و سری
دوستیِ عترت و خانِ رسول — کرد مرا یمگی و مازندری

راس و رئیس مدعیانِ حکیم یکے مفتیِ خراسان بود حنفی المذهب و دیگر حاکمِ بلخ که در اکثرے از اشعارِ وے روئے شکایت با ایشان است و قصائدِ بسیار که دریں خصوص گفته است دلالت دارد بر اینکه تا آخرِ عمر از دوری وطن و جورِ اهالیِ وطن میسوخته و شب و روز فریاد و زاری میکرده. در بعضے اشعارِ خود با ولایتِ خراسان خطاب کرده میگوید که "اے خراسان اگر حالِ تو بے من مبارک و میمون است بارے احوالِ من بے تو دگرگون است. مرا فرومایگان که از نمازِ خویش ساهون اند از خانمان براندند. همانا که ایزد تعالیٰ بشامتِ ایں فرومایگان خشمِ خود بر خراسان باریده است که اوباشے چند بے خان و مان امروز در آنجا خان و خاتون شده اند. آرے دنیا بهشتِ کافران و زندانِ مومن است و ازینجاست که تو اے حاکمِ بلخ در بلخ چوں بهشتی و من در یمگان محبوس و مسجون مانده ام

ہم چیزہاے بسیار ازیں قسم میابیم۔ یکجا از حشر جسمانی استبعاد میکند و جاے دیگر بر جمیع کائنات خُردہ میگیرد۔ و ہمچنیں ہرگونہ وساوس خطرات کہ بر خاطرش میگذرد باکمال بے باکی و آزادی حوالۂ قلم میسازد۔ اما اینہمہ چیزہا نمی بایست سبب انکارِ مردم شود۔ چہ سُنّتِ مستمرۂ شعراے ایران زمین ہست کہ غالب اوقات برخلافِ قانونِ شرع نغمہ ہاے خارج آہنگ سرایند و با خدا و اہلِ خدا شوخیہا کنند ولے چوں اکثر اقوال ایشاں نہ از عالم حال باشد اہلِ شرع حمل بر ہزل کنند و بحکم یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ۔ ایشاں را معذور دارند۔ بعضے دیگر گفتہ اند کہ او از علومِ غریبہ و تناسخ سخن میگفت و مقالاتِ او از فہم علماے زماں بلندتر واقع شدہ لاجرم در طبائع خاص عام از و وحشتے پدید آمد و قصدِ او کردند۔ پس از خراسان سفر کردہ بجانب بلخ رفت و آنجا نیز متواری بود تا آخر بکوہستانِ بدخشاں افتاد۔ ایں سخن چنداںکہ غور کردہ شود ہیچ استبعادے ندارد۔ چہ در طبقہ از طبقاتِ اسلام جمعے کہ خلافِ جمہور حرفے بر زبان آوردہ اند از دستِ فقہاے زماں چہ جفاہا کہ نکشیدہ اند و چہ بلاہا کہ ندیدہ اند۔ اما ورائے ایں ہمہ اسباب سببے دیگر بود کہ سائر اہلِ خراسان را از جا در آورد۔ خاوندشاہ در روضۃ الصفا و بتبعیت او صاحب حبیب السیر و دبستان المذاہب نوشتہ اند کہ "امیر ناصر چوں از مصر مراجعت کردہ باز بخراسان رسید مردم را بخلافتِ مستنصر و روشِ اسمٰعیلیہ دعوت میکرد۔ اعدا قصدِ وے کردند۔ خوف و ہراس بر او استیلا یافت و در جبلے از جبالِ بدخشاں پنہاں گشتہ بست سال بہ آب و گیاہ قناعت نمود۔" ہر چند در سفرنامہ دلیلے روشن برینمعنی یافت نمیشود۔ اما چنانکہ بالا ذکر کردہ شد ازینقدر انکار نمیتواں کرد کہ ناصر خسرو رہ آوردے کہ از مصر براے اہلِ وطن آورد محبّتِ علویّہ مصر بود۔ وعلی الخصوص از مناقبِ مستنصر باللّٰہ سینہ و دل لبریز داشت بسے از قصائد طوال در مدح وے انشا کردہ و ہم در سفرنامہ عدل و دادِ او را بیش از بیش ستایش

و اپسین ہمہ آنجا بود و بعد از وفات ہم در آنجا مدفون گشت۔ گویند مردم آں نواحے با حکیم اعتقادِ زیادہ دارند و مرقدِ او را تعظیم و احترام بسیار میکنند۔ بعضے او را سلطان می نویسند و بعضے شاہ و بعضے امیر و حکیم۔ در بارۂ مذہب اعتقاد وے اقوالِ مختلفہ رقم کردہ اند۔ رضا قلیخاں در مجمع الفصحاء او را بمذہب حق گفتہ است کہ پیش وے منحصر در طریقۂ اثنا عشریہ است. اما ایں سخن خیالے بیش نیست۔ در سفرنامہ ہر جا کہ شیعیان را ذکر کردہ است چناں می نماید کہ از ایں طائفہ اجنبیت تمام دارد۔ یکجا در ذکر بعضے مواضع شام میگوید" قبر ابی ہریرہ آنجا ست بیرونِ شہر در جانبِ قبلہ اما کسے آنجا بزیارت نتواند رفتن کہ مردم آنجا ہمہ شیعہ باشند۔ و چوں کسے آنجا بزیارت رود کودکان غوغا کنند و غلبہ بسر آنکس بنا نہند و زحمت دہند و سنگ اندازند۔ ازیں سبب من نتوانستم زیارت آں کردن" و چارلس شیفر در ترجمۂ فرانسویہ خویش چند بیت از حکیم متضمن انکارِ حشرِ جسمانی و جواب آں از محقق طوسی نقل کردہ است و از جوابے کہ محقق نوشتہ پیداست کہ او حکیم ناصر را از مؤمنین صادقین نمیدانست و آں ابیات ایں است (ناصر خسرو)

مردکے را بدشت گرگ درید		زو بخوردند کرگس و زاغاں
ایں یکے رید بر سرِ کہسار		واں دگر رید در بنِ چاہاں
اینچنیں کس بحشر زندہ شود		تیز در ریشِ مردکِ ناداں

(محقق طوسی)

ایں چنیں کس بحشر زندہ شود		گر نماید عنصرش جو جو
زاولیں بار نیست مشکل تر		تیز در ریش ناصر خسرو

اما اینقدر البتہ قابلِ تسلیم است کہ پسرش خواجہ معین الدین چنانکہ نور اللہ شوستری در مجالس المؤمنین گفتہ مذہب تشیع داشت و با آنکہ در دیوان ملک شاہ سلجوقی ملازم بود۔ باز تقیہ

تو از جہل در ملک ہمچو فرعونی و من از علم در زندان مانندهٔ ذو النونم" و نیز میگوید "اگر اکنون فلک
رام من نیست ہیچ غم نباشد کہ مدتہا رام من بوده است۔ اگر تن من از گلشن دور است گو باش
چرا کہ اندر دلِ پر حکمت در گلشنم۔ مرا بر گرسنگی صبر کردن خوشتر از آن است کہ طعام از دست فرومایگان
دریابم۔ اکنون بر آں سرم کہ از ہمہ جاه و زینت و شرف کہ مرا اندر دنیا باشد بالا روم و سوی بہشت
عدن یکے نردبانے برنہم کہ یک پایہ از صلوٰة و پایہ دیگر از صیام داشتہ باشد۔ یکچند مرا در پیشگاہ
ملوک و مجلس سلاطین میدیدند۔ اما اکنون از گردش روزگار چنیں بیجگر گشتہ ام کہ گوئی خود
آں آب و گل ندارم کہ پیش ازیں داشتم۔ چوں فلک با من اینگونہ بازیہا کرده است بنا براں
از جفائے او دل پر از کین دارم۔ و بر آں سرم کہ از وی کین خود بکشم و امید دارم کہ مستنصر باللہ از خدا
بر اولیائے شیاطینم نصرت دہد۔ و آں زمانہ بیوفائی پیشین من باز پیش من بندہ شود۔ و فردا
بفرِ دولت مستنصر مجلس جز در کنارِ جوزا نیابم"۔ و دیگر ازیں نوع گلہ ہائے دردمندانہ در دیوان
اشعارش بسیار است چنیں مینماید کہ عقیدتِ مستنصر باللہ و ذوقے کہ در نشرِ فضائل و محامد
داشت بر حبِ جاه و دنیا طلبی او غالب آمده بود۔ چہ با آنکہ علماے بر خلافِ او کمر بستہ قصدِ ہلاک
او کردند و از خان و مانش بر آوردند و جاه و اعتباریکہ در دولتِ عہد داشت بکلی از دست داده بود
باز تا دمِ آخریں ازیں ترانہ دلکش خاموش نشده۔ اگرچہ آں ہمہ جد و جہد او در ایامِ حیاتِ وے
کارے از پیش نبرده و در بادی النظر ثمرہ بر آں مترتب نشده اما در نظر راستم آتشے را کہ بعد از
وفاتِ وے بسعیِ حسن صباح از ممالک خراسان سر بر زده و تا مدتِ صد سال از پا ننشستہ
اثرِ ہماں اخگرِ افسرده باید پنداشت کہ ناصر خسرو در دلہائے مردم نہاں گذاشتہ بود۔

مع القصہ بعد از آنکہ اہالیِ وطن با او مخالفت ورزیدند از خراسان گریختہ بہ یمگان
کہ از اعمالِ بدخشان است رفت و او خود را بداں نسبت یمگی گفتہ است شتافت و سالیان دراز تا نفس

چناں فرمودہ است ؎

ترا نفس کلی چو بشناسی اورا — نگہ دارد از جہل و عصیان و نسیاں
کل از نفس کل یافتست آں عنایت — کہ تو خوش منش گشتہ زان و شادماں
زر و سیم و گوہر شد ارکان عالم — چو پیوستہ شد نفس کلی بارکاں

دیگر چیزہا سے بسیار ازیں نوع در دیوان اشعارش میتواں یافت اما چنانکہ اہل خراساں گمان کردند ہرگز از منہج قویم اسلام تجاوز نکردہ و بر اصول اسلام از توحید و رسالت و معاد تا دم واپسین ثابت قدم بودہ چنانکہ میفرماید ؎

بنالم بتو اے قدیم قدیر — ز اہل خراساں صغیر و کبیر
چہ کردم کہ از من رمیدہ شدند — ہمے خویش و بیگانہ بر خیر خیر
مقرم بفرمان پیغمبرست — ندانباز گفتم ترا نے نظیر
بہ اُمت رسانید پیغام تو — محمد رسولت بشیر و نذیر
نیاورد قرآں بہ پیغمبرست — مگر جبرئیل آں مبارک سفیر
مقرّم بمرگ و بحشر و حساب — کتابت زبر دارم اندر ضمیر

این است خلاصۂ آنچہ متعلق بہ مذہب و عقیدۂ حکیم از کلام خودش مستفاد میشود۔ و در مثنوی مظہر العجائب کہ منسوب بشیخ عطار است قدس سرہٗ فضائل و مقامات وے آنچناں مذکور شدہ کہ میباید اورا از زمرۂ عرفا و واصلین منسلک دانند۔ اما چوں در تذکرۃ الاولیا کہ از مصنفات معتبرۂ حضرت شیخ است اشعارے بذکر حکیم نرفتہ۔ گمان میرود کہ مثنوی مذکور از ملحقات باشد چہ معتقدان ناصر خسرو ازیں قسم سخنان در حق وے بسیار تراشیدہ اند۔ زکریا ابن محمود قزوینی در جغرافیۂ خود کہ آثار البلاد و اخبار العباد نام دارد دربارۂ او چناں نوشتہ است کہ در عہد حکومت

نمیکرد و علانیه بر طریقهٔ اثنا عشریه سلوک مینمود. ولاکن قاضی موصوف که هیچ صوفی و حکیم را
در مجالس المؤمنین از خلعت تشیع محروم نگذاشته در حق ناصر خسرو هیچ نگفته است.
دولت شاه سمرقندی میگوید "که ناصر خسرو را بعضے عارف و موحد و بعضے دهری و طبیعی گفته
اند. و گویند به تناسخ" و نیز میگوید که "بصحبت شیخ ابوالحسن خرقانی رح رسیده مدتها بریاضت و
تصفیهٔ باطن مشغول بود." الحاصل هیچ ازین سخنان تا به شهادت مقرون نباشد قابل وثوق نیست و
صاحب روضة الصفا و حبیب السیر او را از اسمٰعیلیه محسوب داشته اند. و صاحب بستان المذاهب
با وجود این نسبت او را هیچ دستایش نیز کرده و بغایت متقید باصول شرعی وانموده است. و حق
آنست که تا هنگام مراجعت از سفر مغرب بر طریقهٔ جمهور اهل سنت سلوک داشت و اکثرے از عبارات
سفرنامه بهمین دلالت میکند. جناب عائشه صدیقه و عمر فاروق را به آدابیکه شعار سنیان است
نام برده است. و سائر مناسک حج بر وفق مذهب اهل سنت بیان نموده و در بعضے از اشعار او
هم که حضرت صدیق و فاروق و ذی النورین را بصدق و عدل و حیا ستوده است. اما شک نیست
که در زمان اقامت مصر که شش سال طول کشید و با مردم اسمٰعیلیه معاشرت و مصاحبت اتفاق
افتاده انقلابے عظیم در خواطر و افکارش راه یافته. و اگر هیچ نگوئیم اینقدر خود میباید تسلیم کنیم که وی
اسمٰعیلیه را بد نمیدانست و خلافت فاطمیین را در برابر خلافت عباسیه به استحقاق نزدیکتر
مے پنداشت و علی مرتضیٰ را بر خلفاے ثلثه تفضیل میداد و ائمهٔ اهل بیت را سرچشمهٔ علم باطن
و خازن اسرار شریعت میدانست و نیز متمذهب بمذهب کسے از ائمهٔ مجتهدین نبود. و تقلید
اهل تقلید را جابجا در اشعار خود نکوهش کرده و علاوه آن بعضے از معتقدات خاصهٔ اسمٰعیلیان
نیز از کلامش مستفاد میشود مانند قول به نفس کلی که آنرا مصدر کائنات دانند و درین عقیده
از سائر فرق اسلامیه منفرد اند که این اصل از امهات عقاید ایشان است و ناصر خسرو در پایاب

و در حال او تغیر گشته مُشرف بر هلاک شد خواست تا بحیلهٔ از گیلان بیرون رود پس از پسر ملک رخصت طلبید تا گیاہے که آں مرض را علاج بود و در صحرائے دمشق یافت میشد و در دمشق رفته برائے تاک بیارد و حال آنکه مسافت در میانه گیلان و دمشق کمتر از هزار و پانصد میل انگلیسی نخواهد بود۔ و بعلاوه این همه ترّهات و اباطیل وجود ملاحده در ایران چنانکه در رسالهٔ مذکور تصریح رفته است هرگز در عهد ناصر خسرو نبوده۔ چه حکومت اسمٰعیلیهٔ مشرق که من بعد بملاحده و باطنیه موسوم گشتند در ممالک ایران در سال چار صد و هشتاد و چار بوجود آمده است و آنوقت بر وفاتِ ناصر خسرو سه سال گذشته بود۔ و اما تسمیهٔ ایشان باسم ملاحده پس در اواخر قرنِ سادس واقع شده۔ همچنین چیزهائے بسیار درین رساله آنچنان هست که در نظرِ تحقیق بجوے نمی ارزد۔ صاحب دبستان المذاهب در حق این رساله میگوید که بعضے از جُهّال ندامت نامه از و بسبب معاشرت با اسمٰعیلیهٔ الموتیه ساخته اند و حال آنکه او تابع اسمٰعیلیهٔ مغرب است با الموتیه موافقت و مصاحبت نداشته این است آنچه در باب ناصر از اسمٰعیلیه شنوده و در کتبِ تواریخ دیده شد ۔

غالب آنست که بعد از وفاتِ حکیم بعضے معتقدانِ او چون دیدند که فقهائے زمان او را بزندقه و الحاد متهم داشته‌اند و به نیکی از و یاد نه کنند در آنوقت این افسانهائے بے سر و بن جمع کرده باشند۔ چه اکثرے از مقدمات که در ندامت نامهٔ مذکور تمهید یافته برائے ساحتِ حکیم از الزاماتِ عُلما و فقهائے آن زمان میکند و چون عادتِ پیشینیان آن بود که هر کرا برگزیدهٔ درگاهِ الٰهی وا میشمردند همیں بر ذکر صلاح و تقوٰی و صدق و عدالتش قانع نمیشدند۔ بل به اموریکه خرق العقل و العادة باشد نیز متّصف میساختند۔ لاجرم قصه‌هائے شگرف و افسانهائے غریب در آن میانه درج نمودند۔ اما با این همه خرابی ناکه مذکور شد بعضے از وقائع صحیحه متعلق به سیرتِ حکیم ازین رسا

۵۱ الموت نام قلعه ایست در خراسان که ابتدائے تسلط اسمٰعیلیهٔ مشرق از آنجا شده و ازین سبب اسمٰعیلیان ایران الموتیه خوانند ۱۲ حالی

حسام الدین ابوالموید ابن نعمان حاکم بلخ چون مردم ازو منحرف شدند بجانب یمگان شتافت و
در آنجا بہ نیروے دستگاہے کہ در علوم غریبہ و تسخیر روحانیات داشت قلعہ ہائے منیع و ایوان ہائے
رفیع برپا کرد" ہمچنیں در ندامت نامہ کہ بحکیم نسبت کردہ اند۔ و حاجی لطف علیخان آذر جامع
تذکرۂ آتشکدہ و بعضے دیگر تذکرہ نگاران در ترجمۂ حکیم آنرا از اول تا آخر نقل نمودہ اند۔ ازیں نوع
داستانہائے بے سر و بن بسیار است کہ ہیچ با عقل و عادت و تاریخ و جغرافیہ آشتی ندارد۔ و در جاہائے
بسیار منافی قول حکیم است۔ مثل آنکہ در مصر و بغداد و گیلان و بدخشان ہر جا کہ رفتہ علی الفور بوزارت
اختصاص یافتہ و بر جمیع امور مالی و ملکی متصرف گشتہ۔ چہ ازیں قسم اتفاقات بعلاوہ آنکہ سفرنامہ
تکذیب آں میکند۔ خلاف عادت روزگار نیز باشد۔ یا آنکہ روحانیاں را تسخیر کردہ ہر کارے کہ
میخواست مامور میداشت و آنہا در طرفۃ العین آں کار را بانجام مے رسانیدند۔ حتی اینکہ یکجا
مریخ از آسمان فرود آمدہ بر حسب خواہش حکیم سید را بقتل در آورد۔ یا آنکہ رسیدن حکیم
از مصر بہ بغداد در عہد القادر باللہ کہ با تاریخ مباینت کلی دارد۔ چہ وفات خلیفۂ موصوف در سال
چار صد و بست و دو و مراجعت ناصر از مصر در سال چار صد و چہل و یک اتفاق افتادہ۔ یا آنکہ
در بعضے از مجالس عراق فاریابی را در بحث حشر و نشر الزام صریح دادہ بود۔ و حالانکہ تاریخ ازیں معنی
ابا میکند۔ زیرا کہ ہیچکس از مشاہیر اسلام غیر از ظہیر الدین شاعر کہ مادح قزل ارسلان است بلقب
فاریابی شہرت نداشتہ و او اصلاً معاصر ناصر خسرو نبودہ۔ چہ وفات او بعد از وفات ناصر خسرو
بیک صد و ہفدہ سال وقوع شدہ است۔ و اگر گویند کہ مراد از فاریابی حکیم ابو نصر فارابی است پس
غلطی آں ظاہر تر است زیرا کہ ابو نصر در اوائل مائۃ رابعہ از دنیا رحلت کردہ و ناصر خسرو در اواخر
قرن مذکور خلعت ہستی پوشیدہ پس معاصرت چگونہ صورت بندد و با قطع نظر ازاں اصل ابو نصر از
فاراب است نہ از فاریاب۔ یا آنکہ روحانیے را چوں براہلاک بادشاہ ملاحدہ در گیلان برگماشت

عاطل است و صحیح ترین اقوال آنست کہ حاجی خلفا در تقویم التواریخ نوشتہ و آں سال چارصد و ہشتاد و یک از ہجرت خاتم الانبیا است (علیہ التحیۃ والثناء) و نیز ازیں کتاب معلوم میشود کہ وفاتِ حکیم ناصر خسرو و رحلت جدّنا شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ہروی در یک سال واقع شدہ و بریں تقدیر عمر حکیم ہشتاد و ہفت سال برمے آید۔

از مصنّفاتِ حکیم یکے روشنائی نامہ در نظم و دیگر کنز الحقائق در نثر شہرت دارد اما چنیں کہ ما ملاحظہ میکنیم اور اغیر ازیں نیز تصنیفات بسیار است از انجملہ یکے کتاب الندامۃ فی زاد القیامۃ در لغتِ تازی است کہ چارلس شیفر در ترجمۂ خود ذکر آں میکند و میگوید کہ "ناصر خسرو دریں کتاب اظہار ندامت و انفعال از زلات و خطایائے خود کردہ است و در بادی النظر چناں مینماید کہ بنیادِ آں بر خیالاتِ بحت و افکارِ لاطائل است اما اگر بغور دیدہ شود بعضے افاداتِ جلیلہ و اقعیۃ نیز از آں استنباط میتواں کرد۔ و میر مشرعی کاشی آنرا از تازی بہ پارسی ترجمہ کردہ است۔" و صاحب ہفت السمٰوٰت از جملۂ کتابہائے او در نظم کتابے موسوم بہ سعادت نامہ نشان دادہ است۔ دیگر احوال ایں کتاب ہیچ ننوشتہ۔ و در ضمن رسالہ کہ سخن در تغلیط آں بالا گذشت۔ مصنفاتِ عدیدہ با حکیم نسبت کردہ شدہ است چوں کتاب مستوفی در فقہ و زاد المسافرین در معقولات و قانون اعظم و دستور الاعظم و تفسیر قرآن مجید و امثال ذلک۔ اگرچہ مضمون ایں رسالہ اصلاً قابلِ التفات نیست اما غالب آنست کہ مرقوم آنوقت ایں کتابہا را از افاداتِ حکیم میدانستند ورنہ نسبت چیزے کہ وجود نباشد با ہیچ کسیکہ علما منکر او باشند چگونہ صورت مے بست۔ و حکیم نیز بر بعضے ازیں کتابہا در شعر افتخار کردہ است۔ چنانچہ میفرماید ؎

زتصنیفاتِ من زاد المسافر کہ معقولات را اصل است قانون
اگر بر خاکِ افلاطون بخوانند ثنا خواند مرا خاکِ فلاطون

استخراج میتواں کرد۔ ازانجملہ یکے نوشتنِ تفسیر بر قرآن مجید است موافق اصول مذہب اسمٰعیلیہ اگرچہ از رسالۂ مذکور سببِ ارتکاب این فعل چناں معلوم میشود کہ چوں در قلمرو ملاحدہ رسید و ایشاں براو دست یافتند۔ بادشاہ ملاحدہ او را بریں کار مجبور ساخت و در صورتِ استنکاع بقتل تہدید کرد پس بخوفِ تلفِ نفس رخصت شرع بر نوشتنِ آں اقدام نمود۔ اما چنانکہ بالا ذکر کردیم آنوقت طائفہ ملاحدہ در مشرق زمین ہیچ وجودے نداشت۔ پس معلوم شد کہ تفسیر مذکور در حالتِ اختیار نہ از روئے اضطرار نوشتہ بود و مدتہا بنام ناصر خسرو اشتہار داشتہ ورنہ کسے را کہ در صدد ابرائے نفس حکیم از طعن اسمٰعیلیت باشد چہ ضرور بود کہ تفسیر مذکور را باو نسبت میکرد (۱)

اکنوں باز بر سر سخن رویم۔ در تاریخ وفات حکیم نیز مانند سالِ ولادتِ او اختلاف کردہ اند دولت شاہ سمرقندی میگوید۔ در سال چار صد و سی و یک اتفاق افتادہ اما سفرنامۂ وے بہ بطلان آں گواہی میدہد۔ چہ سفر مغرب خود در سال مزبور واقع نشدہ بود۔ تا بسفر آخرت چہ رسد و طامس ولیم بیل در مفتاح التواریخ سنہ ۴۸۱ھ چار صد و چہل و یک نوشتہ است۔ ایں قول نیز چوں قول سابق درست نیست چہ بریں تقدیر لازم مے آید کہ مدت حیات او زائد بر چہل و ہفت سال نباشد و لاکن قصیدۂ کہ در شصت و دو سالگی گفتہ در دیوان اشعارش یافتہ ایم۔ و ایں دو بیت ازانجا نقل میشود ؎

گر تنم از گلشن دور است من | از دلِ پر حکمت در گلشنم
شصت و دو سال است کہ گوید ہمے | روز و شباں گردون رہا دہم

صاحب حبیب السیر میگوید کہ ایام حیاتِ ناصر بعقیدۂ صاحب تاریخ گزیدہ از صد سال متجاوز بودہ و صاحب مجمع الفصحا گفتہ کہ یک صد و چہل سال عمر یافت و در سنہ ۵۴۴ھ بعالم باقی شتافت و با شیخ الرئیس ابو نصر ملاقات و مقالات نمودہ۔ اما اینہمہ اقوال از پیرایۂ صحت عاری و از زیورِ تحقیق

دہلوی رئیس لوہارو ہیچ جا دیدہ نشدہ۔ اما در سال ہزار و ہشتصد و ہشتاد و یک مسیحی چارلس شیفر نام یکے از افاضلِ اروپا بتوسط بعضے از شناختگانِ دولتِ انگلیس آں نسخہ[۵] را از آنجا طلب داشتہ و در لغتِ فرانسہ ترجمہ کردہ اصل و ترجمہ ہر دو را در محروسۂ پاریس دار الملکِ فرانسہ طبع ساختہ است چنیں مینمایدکہ اکثرے از مورخان و تذکرہ نویسان کہ در مصنفاتِ خود بذکر حکیم پرداختہ اند ازیں سفرنامہ بے خبر بودہ اند حتّٰی اینکہ ہیچکس او را در عہد طغرل بک و جغر بک نشان نداده و بسیارے از واقعات برخلافِ ایں سفرنامہ نوشتہ اند۔ و بعضے از ایشاں کہ سفرنامہ را از جملۂ تصنیفاتِ وے شمردہ اند غالباً آنرا بچشم خود ملاحظہ نہ کردہ۔ وانچہ حکیم در آخر سفرنامہ عزیمت سفرِ مشرق ظاہر نمودہ معلوم نیست کہ از قوت بفعل آمدہ یا نہ۔ اما از بعضے عبارات ایں سفرنامہ پیدا است کہ در لاہور و ملتان رسیدہ است +

از مطالعۂ ایں کتاب ثابت میشود کہ نویسندۂ آں بہ علم و فضل و تفحص نظر و راستی گفتار و متانتِ بیان و ذوقِ تحقیق موصوف بودہ و اگرچہ در اوائلِ حال ہم بتقاضاے سن و ہم بحکم اسبابِ تنعم عفاف و تقوٰے کمتر داشت و بر شرب خمر مواظبت میکرد۔ اما در آخر عہدِ شباب بتوجہ و انابت موفق شدہ ترک حشمت و جاہ گفت و بر دولتِ علم و ذخیرۂ دانش قناعت کردہ و امن از تعلقاتِ روزگار برچید۔ و برخلافِ مشائخ عہد ما کہ بہر گوشۂ مسجد و زاویۂ خانقاہ سیرِ انفس و آفاق کنند و از کنج عزلت پا بیروں نکشند مردانہ بر سفرِ بلاد و امصار و مشاہدۂ عجائب قدرتِ آفریدگار کمرِ ہمت بربست +

دیگر مرحکیم موصوف را دو دیوانِ اشعار است یکے عربی و دیگر پارسی۔ دیوانِ عربی را صاحب

ل۵ ایں نسخہ در عہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ بہ کتابت در آمدہ و مدتے در کتابخانۂ خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش محفوظ ماندہ کہ یکجا حاشیہ بقلم خودش ثبت فرمودہ است و آں متعلق بہ تجدید ہیئت مسجد نبوی است کہ در سنہ ۱۰۰۶ ہجری واقع شدہ عال ۱۲

دیگر از افاداتِ وے ایں سفرنامہ است کہ در دست داریم والحق کہ بسیار مستحق مدح و ستایش است۔ سادگی الفاظ و راستی بیان کہ دریں سفرنامہ دیدہ میشود گواہ ایں معنی است کہ صنعتہائے بیہودہ و مبالغہ ہائے دور از کار کہ من بعد در منشآت ایران بکلی راہ یافتہ تا قرن خامس ہیچ وجودے نداشت۔ در تمامی سفرنامہ کمتر واقعۂ بر خلافِ عقل و عادت ذکر کردہ است۔ و اگر چیزے ازیں قبیل مسموع افتادہ بضرورت روایت کردہ عہدۂ آں بر راوی گذاشتہ است۔ در ذکر وادی جہنم کہ در فلسطین است میگوید "مردم عوام چنیں گویند ہر کس بسر آں وادی شود آوازِ دوزخیاں شنود کہ صدا از آنجا برمے آید۔ من آنجا شدم اما چیزے نشنیدم۔" و در آخر سفرنامہ چناں تصریح کردہ است کہ "ایں سرگذشت آنچہ دیدہ بودم براستی شرح دادم و بعضے کہ بروایت شنیدم اگر در آنجا خلافے باشد خوانندگاں ازیں ضعیف ندانند۔ و مواخذات و نکوہش نکنند۔" ہر چند در ہر واقعہ مورخانہ نظر کردن و باسباب نتائج آں وا رسیدن و از جملۂ مشاہدات حوادث منتجہ را التقاط نمودن و حوادث عقیمہ را از میان انداختن و از رسوم و عادات اہالی ہر ملک خصائص ایشاں محققانہ سخن راندن کہ امروز در روزنامہ ہائے اروپا دیدہ میشود دریں کتاب کمتر است فاما در زمانے کہ ایں روزنامہ مرقوم شدہ علم و معرفتِ مردم در دائرۂ بغایت تنگ محدود بودہ و سرمایۂ آنکہ در ہر باب رائے میتوان زد از آنچہ مشاہدہ رود و باسبابِ نتائج آں پے میتواں برد در دست نداشتند۔ پس ہر قدر کہ از قلمِ ناصر خسرو دریں زمانہ تراوش یافتہ مزیدے برآں متصور نبود۔ و مع ذلک تا امروز در زبانِ پارسی ایں نوع گذارش واقعات و تصویر مشاہدات ہرگز دیدہ نشدہ۔ بالجملہ ایں سفرنامہ نیز مانند سائر تصنیفاتِ حکیم دریں ممالک ندرتے تمام داشت و دریں جزو زمان جز در کتاب خانۂ سرآمدِ مورخانِ روزگار جناب مستطاب نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر

وآنانکہ ہست شاں بہ ابا بکر دشمنی	چوں دوست اند چوں سگی خصم حیدرند
گر عاقلی زہر دو جماعت سخن مگوے	بگذارشاں بہم کہ نہ افلح[1] نہ قنبرند

در وصف قلم بطریق لغز

آں زرد تن لاغر گل خوار سیہ کار	زرد است و نزار است چنیں باشد گل خوار
ہموارہ سیہ سرش ببرند از یراک	ہمصورت مار است و ببرند سر مار
تا سرش نبری نکند میل برفتن	چوں سرش ببری برود زود نگونسار
چوں آتش و دود است سیہ کار ولیکن	ایں زآب شود زندہ و زآتش بمرد زار
ہر چند کہ زرد است سخنہاش سیاہ است	گرچہ سخن خلق سپید است بہ گفتار
گنگ است چہ شد ماندہ و گویا چو روان گشت	زیراکہ جدا نیست زگفتارش رفتار
مرغے است ولیکن عجبے بے پر از یراک	خوردش ہمہ قار آمد و رفتنش بمنقار
مرغے کہ چو در دست بجنبید ببیند	در جنبش او عقل ترا مردم ہوشیار
تیرے است کہ سوفارش در رفتن پیش است	ہر چند کہ ہر تیر سپس دارد سوفار
اقرار تو باشد سخنش گرچہ روا نیست	در دیں کہ کسے از کس دیگر کند اقرار
دشوار بود بانگ تو از خانہ بہ دہلیز	آساں بود آواز وے از بلخ بہ بلغار
در دست خردمند ہمہ حکمت گوید	جز ژاژ نخاید ہمہ در دست سبکسار
راز دل من بارے یکسر ہمہ با اوست	زیراکہ امین است و سخنداں و بے آزار
اے مرکب علم و سخن و حکمت لیکن	انگشت خردمند ترا مرکب رہوار

[1] افلح نام غلام ابوبکر صدیق و قنبر نام غلام علی مرتضی است ۱۲

تذکرۂ مجمع الفصحا، از جملۂ تصنیفات وے شمردہ است و دیوان پارسی کہ مشتمل ہست بر چندیں ہزار بیت در ایران چاپ شدہ بین الناس متداول ہست۔ و راقم ایں سطور مجموعۂ منتخبے ازاں ہنگام تحریر ایں اوراق از کتابخانۂ سابق الوصف بدست آوردہ است۔ وے حجت تخلص میکند و احیاناً ناصر و ناصر خسرو نیز بحسب ضرورت در شعر مے آرد۔ غالب اشعارش قصائد و مقطعات ست و سخنش با سخن عامۂ شعرا ہیچ نمیماند۔ در یک بیت ندیدہ ام کہ از عشق و جوانی حرفے گفتہ یا بمدح اہلِ دنیا لب آلودہ باشد۔ مجموعِ دیوانش مشتمل بر مناقب ذریۂ رسول ؐ ولا سیما و مدائح مستنصر باللہ و مواعظ و حکم و اسرار تکوین و شکایت ابنائے زمان و ذمِ علمائے ظاہر ہست و غالب اشعار در بحورِ غریبۂ قلیلۃ الاستعمال گفتہ۔ اگرچہ عامۂ گفتارش نمک کمتر دارد۔ اما بلاغتِ شاعرانہ را با جزالتِ حکیمانہ جمع کردہ۔ و قدرتے کہ بر اداے مطالب عالیہ در نظم داشتہ در شعر دیگران ہم نتواں یافت۔ قدرِ یسیرے از کلامش درینجا نقل میشود۔

در نکوہش ابنائے روزگار

گوئی مرا کہ جوہرِ دیوانش آتش ہست   دیوانِ ایں زمانہ از گِل مخمرند
جز آدمی نزاد ز آدم دریں جہاں   اینہا ز آدم اند چرا جملگی خرند
دعوے کنند آنکہ براہیم زادہ ایم   چوں نیک بنگری ہمہ شاگردِ آذرند
خویشی کجا بریم کہ از بہرِ لقمہ   اینجا برادراں ہمہ خصمِ برادرند
نہ کافرے بقاعدہ نہ مومنے بشرط   ہمصحبتانِ من نہ مسلماں نہ کافرند
ہاں تا ازیں گروہ نباشی کہ در جہاں   چوں گاؤ مے خورند چو گرگاں ہمیدرند
آں سنیاں کہ سیرتِ شاں بغضِ حیدر ست   حقا کہ دشمنانِ ابوبکر و عمرند

کار ہ کردار تو اے گنبدِ زنگاری | نہ ہمے بینم جز مکر و ستمگاری
زن بدخو را مانی کہ مرا با تو | سازگاری نہ صواب ست نہ بیزاری
نیستی اہل و سزاوار ستایش را | نہ نکوہش را زیرا کہ نہ مختاری
زینہار اے پسر این گنبد گردان را | جز یکے کارکن و بندہ نہ پنداری
ما خداوندِ ترا خانہ گفتاریم | گر تو او را فلکا خانہ کرداری
مور و ماہی را بر خاک و بدریا در | نیست پنہاں شدن از روے بشب تاری
گر ہمے نعمت دائم طلبی او را | بندگی کن بہ درستی و بہ بیداری
ایں یکے جادوے بیکار زبوں گیرست | چند گردی گرد ایں اوبہ سبکساری
سیرتِ زشت نہ اندر خور احرارست | سیرتِ خوبت کو گر تو ز احراری

بہ خوے خوب چو دیبا و چو عنبر شو
گرچہ در شہر نہ بزاز و نہ عطاری

در پاے تو بسیار بہ از دیبہ رومی		ہر چند کہ دیباے تر نیست خریدار

در انجام کارِ دنیا

ناصر خسرو براہے میگذشت		مست ولا یعقل نہ چوں میخوارگاں
دید قبرستان و مبرز روبرو		بانگ برزد گفت کاے نظارگاں
نعمت دنیا و نعمت خوارہ بیں		اینش نعمت اینش نعمت خوارگاں

در موعظت

تمیز و ہوش و فکرت پنداری		چوں داد ترا خیرہ خیرہ باری
تا کار بندی ایں ہمہ آلت را		در غدر و مکر و حیلہ و طراری
دارا برفت مفلس ازیں عالم		با او نرفت ملک و جہانداری
بارو سے چوں نگاری و دانش نہ		گوئی مگر کہ صورت دیواری
مردم ز راہِ علم بود مردم		نہ زیں تن مصور و دیداری
تا نا مشی میانِ خردمنداں		مردے تمام صورتی و کاری
لیکن گر سخنت پدید آید		کز جان و دل ضعیفی و بیماری
گوئی کہ از نژادِ بزرگانم		گفتاری آمدی تو نہ کرداری
بے فضل کمتری تو ز کنجشکے		گرچہ ز پشت جعفر طیاری

خطاب بہ آسمان

چہ ہیچکس از خطا معصوم نیست ۔

۱۴۔ ہر کس فرزنداں را در تنگی و عسرت برائے آں میگذارد کہ بعد از مردن او خوشحال و فارغ البال باشد۔ گوئی شاخے سرسبز را قطع مے کند تا شاخِ خشک را سرسبز کردہ باشد ۔

۱۵۔ زنہار دوست چہارم آنکس نہ شوی کہ پیش از تو سہ کس را دوست گرفتہ ہر سہ را از دست دادہ باشد ۔

۱۶۔ عہدِ پیری بشایستہ ترین وجہے بسر بردن جز خاصاں را میسر نیست ۔

۱۷۔ بر اکثرے از خطاہائے دوستاں کہ خوردہ مے گیریم از برائے آنست کہ آں خطاہا در کارِ ما ہیچ خلل نمے اندازند ۔

۱۸۔ حقیقتِ حالِ یک کس بتفصیل دانستن مشکل تر از آں است کہ احوالِ کافۂ ناس باجمال دانستہ باشند ۔

۱۹۔ عیبے کہ نتوانی از خود دور کنی در چشمِ تو جز ہنر نماید ۔

۲۰۔ ہر داعیہ کہ نفس در خاطرِ مردم برمے انگیزد آخر در وقتے از اوقات فرو مے نشیند۔ اما داعیۂ عجب و خود پسندی دائماً ہمچناں متحرک میباشد ۔

۲۱۔ کسانیکہ استخفافِ مال و دولت میکنند بسیارند۔ اما کسیکہ ترکِ مال و دولت بگوید حکمِ عنقا دارد ۔

۲۲۔ در زندگانیٔ دنیا بعضے از حوادث چناں واقع میشود کہ تا خود را بہ تکلف احمق نمائیم نتوانیم از سوءِ عواقبِ آنہا محفوظ باشیم ۔

۲۳۔ ستایشِ خلق را سزاوار بودن آسان تر است کہ از مذمتِ ایشاں محفوظ ماندن۔ چہ آں بہ یک فعلِ پسندیدہ حاصل میتواں کرد و ایں جز بہ اجتناب از تمامیِ افعالِ قبیحہ و سائر

ترجمہ بعضے از مقالاتِ حکمائے اروپا از انگلیسی در پارسی

۱۔ کسیکہ اعلا بہ گفتار نیاید مانند آنکس کہ ہرگز لب از گفتار نہ بندد۔ خطاب را نشاید۔

۲۔ خودپسنداں راکہ ہیچگاہ جز بہ ستایش خود حرف نمیزنند۔ لب از گفتار نتواں بست۔

۳۔ نکوئی دیگراں را ستودن خود را در نکوئی آنہا شریک وانمودن است۔

۴۔ یک سخن طیبت کہ بار بار بر زبان آید اصحاب را ملول سازد۔

۵۔ کسیکہ پیشِ اصحاب غیر از سرگذشتِ خود سخن نمیگوید۔ اگرچہ نفسِ خویش را فربہ میسازد ولاکن اصحاب را جز ملالت نمے افزاید۔

۶۔ کسیکہ عقلِ ضعیف دارد درست گو نمیتواند شد۔

۷۔ پادشاہان و بزرگاں را بہ صفاتے کہ ندارند ستایش کردن ایشاں را نہاں تحریض دادن است

۸۔ جوان کہ رہنمائے جوانے باشد مانندِ نابینائے ہست کہ نابینا را راہ نماید محتمل کہ ہر دو از پا در آیند یا بہ چاہ در افتند۔

۹۔ شرطِ دوستی دوست را بر عیبِ او مطلع گردانیدن است نہ از عیبِ خود آگاہ نمودن۔

۱۰۔ کسانیکہ فریبِ ما خوردہ اند در چشمِ ما حقیر بنمایند۔ چنانکہ ما فریبِ دیگراں خوردہ در چشمِ خود حقیر مے نمائیم۔

۱۱۔ کسے راکہ حالِ او موافقِ خواہشِ او باشد ہر آئینہ خورسند و خوشدل میتواں گفت اما ہوشمند نمیتواں گفت مگر آنکہ خواہشہائے خود را موافق حالتِ خود کردہ باشد۔

۱۲۔ کسیکہ از دولتِ قناعت وسیلت ہیچ ندارد۔ از ستہ رفیق و مساز محروم است۔

۱۳۔ کسیکہ بر خطائے دیگراں نمے بخشاید رخنہ در آں پل مے اندازد کہ خود او را از آں عبور میباید کرد

برنگِ دیگر جلوہ میکند۔ و ہر جا بشکلی جداگانہ ظہور مینماید۔ تا بحدیکہ گفتہ اند مغرورترین مردم آنست کہ از ین صفت برائت خود میکند۔ و از عجائب خواص انسانی آنست کہ با آنکہ ہیچکس از شائبۂ این رذیلت خالی نیست ہرگاہ اثرے ازاں در دیگران مشاہدہ میرود بر ایشان نفرین مے کنند و زبانِ طعن دراز میسازند۔ و تعجب بر تعجب ظاہر مینمایند۔

بعضے از حکما گفتہ اند کہ "متکبران و خود پسنداں را ہیچکس دوست نمیباشد۔ زیرا کہ دوستی را مساواتِ طرفین شرط ست و ایشان بر مساواتِ کس راضی نمے شوند۔ ہمچنیں ہیچکس ایشاں را ناصح نمیتواند شد۔ چہ ناصح باید در مرتبہ از مخاطب افضل و برتر باشد۔ و ایشاں فضیلت را و برتری کس بر خود منظور نیست۔" چنانکہ قیمت اسپ در اصطبل نسبتہً بہ نخاس بیشتر مینماید ہمچناں مردِ متکبر خود را در نظرِ خویش بہ نسبت آنکہ در چشمِ دیگران ہست بالاتر و گرانقدر ترے سنجد۔ سے جز خوشامد گویان و چاپلوساں کسے را دوست نمیدارد۔ و با بزرگان عداوت و از خردان نفرت داشتن و ہمسران را حقیر شمردن خاصۂ او ست۔

حکیمے گفتہ است کہ "عاقلان لباس را باندازۂ بدن سازند و متکبران بدن را در خورِ لباس۔ یعنی آنہا چنانکہ ہستند ہمچناں خود را ظاہر مے کنند۔ و اینہا از انچہ ہستند بزرگتر وانمایند"۔ مرد باید گاہ گاہ در اوقاتِ فرصت بحالِ خود پرداختہ مے اندیشیدہ باشد۔ کہ وجود این پیکرِ خاکی کہ مسمےٰ بہ انسان ہست با این فضائے بے پایاں کہ مشتمل بر عوالم بے شمار و سراسر پُرِ ئے زمین در عرصۂ آن ہیچ در حساب ہست چہ نسبت دارد؟ ہمانا چون گرد موہومے کہ ہمراہیِ چرخہائے ارابہ بے اختیار در گردش باشد۔ روز و شب و شام و پگاہ بے قصد و ارادت با ہوائے جو بہ رقص کنان چرخ زنان میرود و مانند صدائے کہ از تارِ طنبور خیزد درین بحرِ بیکراں پیوستہ در شناست۔ پس چیزے را کہ حقیقت او اینچنیں باشد کے میرسد کہ تاجِ غرور

اقوالِ نامرضیہ صورت نمیتوانند بست ۔

۲۴۔ با ہر کہ دوستی ورزیدی ہموارہ بر دوستی او ثابت قدم باش ۔

۲۵۔ ہیچ فریب بدتر از آن نیست کہ کسے را امیدوار کردہ باز نا امید گردانی ۔

۲۶۔ ہیچ چیز در چشمِ مردمِ خوش ترازاں نمے نماید کہ کسے ممنونِ ایشاں باشد و ہیچ آواز در گوشِ ایشاں شیریں تر از آن نمے آید کہ نغمۂ شکرِ احسانِ ایشاں سرایند ۔

۲۷۔ معنیِ خوشامد آنست کہ کسے را بچیزے کہ ندارد موصوف گردانند ۔ پس دانا باید بہ سخن خوشامد گویاں از جا نرود ۔ بل بصفاتیکہ بہ دروغ بر وے بستہ اند خود را بحقیقت متصف گرداند ۔

۲۸۔ علمے کہ تحصیلِ آن واجب است تقلیدِ نیک کرداران ست و بس ۔

۲۹۔ بر دیگراں خُردہ گرفتن آسان ست اما بر خُردہ گیریِ دیگراں صبر نمودن دشوار ۔

۳۰۔ رازیکہ با دیگراں درمیان مے نہی ، دیگراں را تکلیفِ اخفائے آں مدہ ۔

۳۱۔ کسیکہ نسبتِ کبر بہ دیگرے میکند بہ یقین داں کہ خود متکبر ست ۔

۳۲۔ چندانکہ مے بینیم ہیچکس از کبر خالی نمے یابیم ۔ گوئی ایں خصلت چوں اعضائے بدن در ہر کس از بہرِ آں آفریدہ اند تا بداں وسیلت از ننگِ عیبہا کہ دارند متاذی نشوند ۔

ترجمہ و تہذیب بعضے از مضامینِ نفیسۂ محاسن الاخلاق مرتبۂ جناب خان بہادر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ مرحوم از اردو در پارسیِ حالیۂ ایران

کبر و خود پسندی

طبعِ انسانی چنانکہ مائل بہ کبر و خود پسندی است بہ ہیچ یک از خصائل نیست ۔ ایں صفت در ہر کس

جوانمرداں بودہ اند کہ مجسمہ ہائے ایشاں در صنم خانہ ہا نہادہ اند و عبادتخانہ ہا بنامِ ایشاں طرح افگندہ اند و تماثیلِ آنہا را قابلِ پرستش اعتقاد نمودہ ۔

مناصب جلیلہ

آنانکہ بمناصبِ جلیلۂ سلطانی فائز میشوند بتحقیقت سہ چیز را برخود حرام میسازند یکے سلطان را کہ آزادیٔ نفسِ خویش بدستِ او فروختہ اند و عنانِ اختیارِ خود در قبضۂ اقتدارِ او سپردہ ۔ دوم شہرت و ناموریٔ خویش را کہ ہرچہ منافیٔ آں باشد زنہار گردِ آں نگردند و جز بکارے اقدام نکنند کہ مقتضائے شہرت و نام و ننگ تواند بود ۔ سیوم فرائضِ منصبِ خویش را کہ یک لحظہ از فکرِ آنہا نتوانند آزاد شوند ۔ ہمانا طالبِ منصب آزادیٔ خود فروختہ بعوضِ آں حکومت بر دیگراں میخرد ۔ و اختیاراتِ خویش از دست دادہ بر دیگراں اختیار حاصل میکند ۔ تا بمنصبِ مطلوب نمیرسد انواعِ رنج و تعب نصیبِ او میباشد و چوں بداں فائز میگردد آں ہمہ رنج و تعب یک بدہ میشود ۔ و اگر کار بمعزولی کشید پس حیاتش تلخ تر از ممات گشت ۔

مدح و ستایش

مدح و ستایشِ عامۂ ناس کہ از صورت بمعنی راہ نبردہ اند ۔ میباید از صدق و راستی بمراحل دور تر باشد ۔ چہ بکنہِ حقیقتِ کمالات پے بردن و مدارجِ کمالات را از ہم تمیز دادن از حدِ فہمِ ایشاں بالاتر است ۔ پس غالب مدحِ ایشاں بر کمالاتِ درجۂ ادنے از بذلِ جود و بر و احسان و مہمان نوازی و لطف و مدارات و امثالہا مقصور میباشد ۔ و ممکن کہ گاہ

بر سر نهاده به ابنائے جنس خود که زود با ایشاں در خاکِ گور برابر خواہد شد برتری و تفوق جُستہ آیا نمیداند که او نیز چوں سائر بنی نوع خود با انواع عیب و خطا گرفتار و بغایت مسکنت موصوف است و عارضه از عوارضِ بشری چوں ملال و کلال و خوف و رجا و شادی و غم آنچناں نیست که بدو عارض نشود و وقتیکه بیمار میشود چوں دیگراں بچاره و علاجش احتیاج مے افتد و ہرگاه که خواہد مُرد چوں بیچارگاں و مسکیناں زیر خاک پنہاں کرده خواہد شد۔ چوں صورت بریں منوال است چیزے لائق تر بہ شانِ او غیر از تواضع و فروتنی و عجز و انکسار نباشد پس آدم خاکی نہاد باید از کمینگاه نفس بر حذر باشد که بیچاره را بصد گونه ریو و رنگ فریفته از آنچه ہست برتر و بزرگتر در نظرش جلوه گر میسازد۔ چنانکه واعظے رہت گفتار را حکایت کنند که چوں از وعظ و تذکیر فارغ شد از بالائے منبر فرود آمد و سامعین بر فصاحت گفتارش صدائے تحسین و آفرین از چہار سمت بلند کردند گفت اے عزیزاں دیگر بمدح و ستایش شما حاجت نمانده است۔ چه پیش از آنکه از منبر فرود آیم شیطان از ہمیں ترانہ دلکش ہر دو گوش مرا پُر ساخته از مدح و ستایش دیگراں بے نیاز گردانیده است ٭

شجاعت

کسانے که بحکمِ حرص و حُبِّ جاه خود را در مہالک و مخاطر افگنند به شجاعت و جوانمردی موصوف نتواں کرد۔ مانندِ آنکه در کوہستان سفر دور و دراز از بہر آں اختیار کنند که بر معدنیات دست یابند۔ یا اہلِ غیر متمدن را که تابِ مقاومت با اسلحهٔ جانسوز ایشاں ندارند حلقهٔ اطاعت در گوش و طوقِ غلامی در گردن اندازند۔ ہر آئینه ایشاں را بجائے آنکه شجاع و بہادر نام نہند رہزن و قزاق خواندن اولیٰ تر است۔ چه شجاع بحقیقت آنکس تواند بود که محض نفعِ خلائق انواعِ محن و مشاق بر نفس خود گوارا کند و جان عزیز را در مواقعِ خوف و خطر اندازد۔ ہمیں نوع

مشق و مہارت

در طبیعتِ ہر کس از افرادِ انسانی استعدادے خاص ودیعت نہادہ اند کہ بہ مشق و مہارت ترقی مے پذیرد۔ و انسان را در آنچہ مشق و مہارت ورزیدہ است بمرتبۂ کمال میرساند کہ کارہائے دشوار را بہ سہل ترین وجہے سرانجام تواند کرد۔ رسن بازان و رقاصان و مغنیان کہ در فنونِ خود کارنامہائے عجیب و عملہائے غریب بروئے کار آوردہ تماشائیان را در تعجب مے اندازند نتیجۂ ہمیں مشق و مہارت است کہ ایشان بحکمِ استعداداتِ خاصۂ خود بکار بردہ اند۔ ورنہ ہیچ خاصیتے در ذاتِ ایشان آنچنان نیست کہ تماشائیان و بحیرت زدگان کم و بیش در فطرتِ خودہا نداشتہ باشند۔

پیدا است کہ در ہر قوم و ملت بعضے از مردم در نازک سنجی و خوش نشی و بعضے در قصہ گوئی و داستان طرازی۔ و ہمچنیں بعضے در شاعری و بعضے در مصوری و بعضے در فنونِ دیگر شہرۂ روزگار و مشارٌ الیہ بالبنان در دیار و امصار می باشند۔ و عامۂ ناس را گمان آنکہ ایشان از جودتِ ذہن و روشنیِ طبع در ایں کمالات یدِ طولیٰ بہم میرسانند۔ اما کسانیکہ بہ قوانینِ طبیعی پے بردہ و مجاری احوال را نیکو سنجیدہ اند۔ میدانند کہ منشائے کمالاتِ ایں نام آوراں جز مشق و مہارت چیزے دیگر نبودہ است۔ آرے ایں قدر ہست کہ استعدادِ ایں کمالات کہ در طبائع ایشان ودیعت کردہ بودند۔ ایشان بہ مشق و مہارت آں کمالات را از قوۃ بفعل آوردند۔ اگر اصل استعداد در جزرِ فطرت آنہا راسخ نمی بود و ایشان بہ وفق استعداداتِ خود توفیقِ مشق و مہارت در کمالاتِ مزبورہ نمے یافتند۔ زنہار بہ محض جودتِ ذہن و فطانت کارے از پیش نمے بردند۔

گاه بہ کمالاتِ درجۂ اوسط از شجاعت و استقلال و وفاداری و عصبیّت مطلع شده داد مدح و ثنا داده باشند. فامّا کمالاتِ درجۂ اعلیٰ از خلوص و بے غرضی و رقّتِ نوعیّت و در مصالحِ عامّہ کوشیدن. و باصلاحِ مفاسدِ عامّہ پرداختن. و در فصلِ خصوماتِ حیف و میل بکار نبردن. و از حمایتِ مدعیانِ باطل اگرچہ دوست باشند ابا نمودن. و در پاسداری حق از مذمّتِ عوام نیندیشیدن و امثال ذٰلک. پس اندازۂ آنها از سرحدِ فہم و ادراکِ ایشاں بیروں است. لاجرم اگر بالفرض کسے در خواہش ہائے ناروا از نصرتِ دوستاں پہلوتہی کند. آنرا بے وفا و بے مروّت نام نہند. و ہر کہ در محکمۂ قضا بخلافِ آشنائے شہادت بحق داده باشد. او را از اراذلِ ناس شمارند. ہمچنیں سائر راستبازانِ آزاد منش را بدنام یاد کنند و ایشاں را از تہ دل بے دین و سنگدل و مکّار و خائن انگارند۔

ہمدریں معنی نیز چنیں گفته اند کہ حسن و قبحِ افعالِ مردم موقوف بر نیّتِ ایشان است ہماں یک کار است کہ اگر از نیّتِ نیک صادر شده است آں را کارِ نیک میتواں گفت و اگر بہ نیّتِ بد صدور یافته آں را کارِ بد میتواں شمرد. مانند آنکہ یکے از ارتکابِ ظلمے کہ جز بہ جرأت و ہمّت و زحمت و مشقّت اقدام بر آں نتواں کرد. تحاشی میکند و پہلو تہی میزند. پس چنانکہ میتواں گفت. از جبن و نامردی پیرامونِ آں نمیگردد. ہمچنیں میتواں گفت کہ بمقتضائے عدالتِ جبلّی مرتکبِ جرم نمیشود. پس کسانیکہ فضائل و کمالاتِ درجۂ اعلیٰ را نمے توانند اندازه بدانند امثال ایں امور را ہموارہ بر محملِ بد فرود آرند و نیکوکاراں را مستحقِ ذمّ و نفریں شمارند بلے فضائل و کمالاتِ انسانی بمشابۂ دریا است کہ بر روئے آں غیر از اشیائے کم وزن و خفیف چوں خس و خاشاک و برگ کاه ہیچ نمودار نیست. و ہر چہ از اشیائے ثقیل و گرانمند یا خود دارد جز در قعرِ آں نتواں یافت۔

ایا حکمے از احکامِ او خالی از حکمت نیست. پس مرد باید کہ در ہجومِ مصائبؔ الالام دامنِ استقلال از دست ندادہ بیقین دانستہ باشد کہ در پردۂ اینہمہ مکروہاتِ ناملائم البتہ حکمتے نہاں و مصلحتے عظیم مخفی خواہد بود. ازینجاست کہ گفتہ اند "ہر کہ بمصیبتے از مصائب گرفتار نشدہ ہمانا یک رُخے دنیا دیدہ از تماشاے روے دیگر محروم ہست" ہر آئینہ مسرتِ حقیقی حاصل نمیشود مگر آنکہ لذتِ غم چشیدہ باشند. حکیم سنیکا مرشاگردانِ خود را ہموارہ پند میداد کہ "لذتِ مصیبت بچشید. تا لذتِ عافیت دریابید" چنانچہ گفتہ اند "قدرِ عافیت کسے داند کہ بمصیبتے گرفتار آید" ہیچ راحت در حقِ انسان خوشتر ازاں نیست کہ بعد جراحت میسر آید و محنتے کہ براحت انجامد بحقیقت عینِ راحت است. کسیکہ در مقابلۂ بلا ثبات نہ ورزیدہ و بہ صبر و استقلال بر مشکلات غالب نیامدہ و در بوتۂ ابتلا گداختہ نشدہ بر مثالِ طلائے است کہ بر محکِ امتحانش نسودہ باشند. وازیں سبب قیمتِ آں مشخص نشدہ باشد.

مصیبت بحقیقت مدرسہ ایست کہ جملہ قوائے روحانیہ درو تربیت مییابد و انسان بوسیلۂ آں زشتیِ گناہ و بے ثباتیِ دنیا را بہ رأی العین مشاہدہ میکند. اگرچہ بعضے از نکوئیہاے نمایاں چوں بذل و جود و عدل و احسان در ایامِ عیش و کامرانی ہم میتواں کرد. اما نکوئیہاے پایندہ و استوار از توکل و قناعت و صبر و استقلال و ہوشمندی و دوربینی جز در حالتِ یاس و حرماں صورت نمیتواند بست کہ مرد را از خوابِ غفلت بیدار میکند و خیالاتِ دلفریب از خاطرِ او بکلّی محو ساختہ روے توجہ بہ قبلۂ مقصودِ عالم و عالمیان منعطف میگرداند و دنیاے دنی را در نظرش چوں بازیچۂ اطفال خوار و بے قدر میسازد. آرے چنانکہ رائحۂ مشک و عود بہ سوختن و سائیدن نمایاں مے شود. ہمچناں نکوئیِ مردُم در ہجومِ مصائب آشکارا مے گردد.

در فطرت اکثرے از تجارت پیشگان استعداد شاعری بمرتبۂ کمال ملاحظہ مینمائیم و در بسیارے از شعرا قابلیت فن تجارت بدرجۂ غایت مشاہدہ میکنیم۔ اما نہ آنہا بسبب شغل تجارت از شاعری کرشمہ بروئے کار آوردہ اند و نہ اینہا بسبب انہماک در شعر و سخن از ملکۂ تجارت حظے بودہ اند پس امتیاز صریحی کہ در میانۂ حکما و ارباب زراعت یا شعرا و اہل تجارت یافتہ میشود منشائے حقیقی آں ہمیں مشق و مہارت است و بس کہ افراد یک نوع را از ہم تمیز دادہ بہ خواص مختلفہ و اوصاف متبائنہ مخصوص گردانیدہ است۔ ازینجاست کہ ہر عادتے کہ بہ مشق و مہارت رسوخ بیابد۔ ترکِ آں چوں تبدیلِ فطرت مستحیل میگردد۔ پس مرد باید کہ از تکرار فعلِ بد کلی پرہیز کند۔ مبادا آں فعل رفتہ رفتہ منجر بہ عادت گردد و ازالۂ آں از حیطۂ قدرتِ بشری خارج باشد۔

مصیبت و ناکامی

در کارخانۂ عالم از اقبال و ادبار و ذلت و عزت و ناکامی و کامیابی طرفہ تماشا بنظر مے آید۔ یکے را نکبت و ادبار از چار سو آنچناں فرا گرفتہ است کہ ہر چہ میکوشد راہ بجائے نمے برد و بہر طرف کہ مے شتابد ناکام برمے گردد۔ روز و شب مصائب و آفات چوں ابر مدرار برا و مے بارد۔ و شب دیجور ادبارش ہیچ نوع پایاں نمے پذیرد۔ بخلاف آں دیگرے را بخت و اتفاق چناں مساعد افتادہ است کہ اگر خاک سیاہ را مس میکند طلائے خالص میشود و اگر در شورہ زار تخم مے افشاند زود برگ و بار مے آرد۔ دولت بیدار با او عہد یکجہتی بستہ است و طالع فرخندہ نردِ وفا باختہ۔

اما ازانجا کہ ظہور اینہمہ آثار مختلفہ و احوال متناقضہ راجع بمشیّتِ آں حکیم علام است کہ فعلے از افعال

واجب است؟ مراد از شجاعت چیست؟ و اعتدال و عدالت چه معنی دارد؟ علوِ همت از حرص و آز. و غلامی را از اطاعت و آزادی را از اطلاقِ عنان چگونه فرق توان کرد؟ قناعتے که محمود است علاماتِ آن چیست؟ از آلامِ جسمانی و هموم روحانی تا کجا باید گریخت و از ذلت و مرگ تا به چه حد تحاشی باید نمود؟ از سختی بلاها چگونه میتوان رست و به چه نوع تحمل آنها میتوان کرد؟ چگونه خود را باید شناخت؟ و چه طور خوش میتوان زیست و خوش میتوان مرد؟

علامت تهذیبِ اخلاق در آدمی آنست که شگفته رو و پسندیده خو باشد و از کدورت خاطر بکلی پاک بود. چنانکه در حوالیِ ماهِ تابان بر روے فلک اثرے از گرد و غبار نباشد همه وقت آثارِ بشاشت از چهرهٔ او هویدا باشد. نفس اماره را در حینِ سرکشی و طغیان نگذارد از جا رود و زمانهٔ خوف و رجا و ایامِ قحط و وبا به کمالِ استقلال و شادمانی بسر آرد۔

تهذیبِ اخلاق برخلاف راے کسانے که آنرا به خارزار و دشوار گذار تمثیل میدهند بر مثالِ راهے است که طرفین آن راه از گلهاے رنگارنگ و اثمارِ گوناگون و اشجارِ سرسبز و شاداب و نهرهاے روان نمونهٔ بهشت برین است و هر که ازین راه میگذرد بادلے شادمان و خاطرے مطمئن بمنزلِ مقصود میرسد. راهے است به نکوئی رهنمون که هر یک از کودک و جوان و پیر و فاسق و معصومش آسان تواند پیمود. رنج و محنت ازین راه بمراحل دور است و راحت و آرامش در هر قدم مهیا۔

علمِ اخلاق بمثابهٔ مادرِ مهربان است که اولادِ خود را از چرک و آلودگیها پاک میدارد و پرورشِ آنها نموده تنومند و قوی بازو مے سازد. بر ایشان سخت نمیگیرد و همواره در صدد آن میباشد که در عز و شان و حسن و جمال و صحت و سویتِ ایشان بیفزاید و بهر صورت که میتواند دلنشین آنها میکند که چگونه این همه محاسن و خوبی ها را آنچنان مضبوط و منتظم توانند ساخت

تعلیم

اُستاد باید هرگاه به تعلیم مبتدیاں پردازد. از پایهٔ خویش که در علم و فضل داشته باشد تنزّل نماید. چنانکه پهلوانے زبردست چوں قواعدِ کُشتی به شاگردانِ خُردسال بیاموزد سرپنجگی و زورآوری را یکسو نهاده از پایهٔ خود آنچناں فرود آید که شاگرداں بدانند یکے از همسراں ایشاں به ایشاں بازی میکند. بسا معلماں که هنگامِ درس ایں اصل را مطمحِ نظر نمیدارند و از منزلتِ علم خود تنزّل نانموده سخناں بالاتر از فهمِ متعلماں افاده مینمایند. در غالبِ احوال سعیِ ایشاں رائگاں میرود و نفعے از درسِ ایشاں بمتعلماں نمیرسد. چنانکه غذائے ناملائم طبع پیش از آنکه جزوِ بدن تواند شد غثیاں آورده از معده برمے آید. همچناں درسِ اُستاد که به فهمِ شاگرداں مناسبت نه دارد به ذهن و حافظهٔ ایشاں درنمے سازد۔

علم اخلاق

علمِ اخلاق از سائرِ علوم بدیں شرف امتیاز دارد که قابلیتِ آں در سرشتِ اطفال پیش از قابلیتِ درسِ کتاب حاصل مے شود و تعلیمِ آں در هر زمان و هر مکان میتواں کرد. خانه و باغ و مکتب و مجلس و خلوت و جلوت و کنارِ مادر و آغوشِ پدر برائے آں یکساں است. ایں علم هر کس را از کودک و جوان و پیر هدایت میکند که حقوقِ الٰهی بر ذمتِ همتِ او کدام ست؟ حقوقِ بنی نوع و حقوقِ نفسِ خویش کدام؟ مال و دولت را چه طور بذل تواں کرد؟ و چه قدر ازاں در رفاهِ خلق و چه قدر در خدمتِ ذوی القُربیٰ صرف تواں نمود؟ حقیقتِ انسان چه چیز ست؟ و او از برائے کدام مقصد آفریده اند؟ غایتِ علم چیست؟ و کدام چیزها ست که دانستنِ آنها برو

تفویض فرموده است تا بداں وسیلت ہرگاه که خواہیم خود را از رنج و بلا وارہانیم۔ و منت ہر واہب منت را که برائے زندگی جز یک در نہ کشاده است و برائے مرگ ابواب بے شمار مفتوح ساختہ۔" و نیز گفتہ اند "عرصۂ زمین بر زندگان تنگ می‌تواند شد۔ اما بر مردگان در ہر زمان و ہر مکان فراخ است۔"

بعضے از حکما گفتہ اند "کسانے که از دنیا و مصائب آں شکایت میکنند خطا میکنند کیست که ایشاں را بر تحمل ایں مصائب مجبور ساختہ است مگر آنکه جبن و نامردی آنہا نمیگذارد از قید حیات رستہ مکروہات زندگی را خیرباد بگویند۔ مرگ ہمہ جا حاضر ست و ہمہ وقت اسباب آں مہیا است۔ ہر کس میتواند مارا از قید حیات آزاد کند۔ بخلاف مرگ که ہیچکس از پنجۂ آں نجات نمیتواند داد۔ اگر مرگ مقدور بشر نبودے زندگی از قید غلامی بدتر بودے۔ مرگ نه ہمیں مرض خاص را علاج است بلکه ہمہ دردہا را دوا است۔ در فن طب مقرر شده است که مرض چندانکه صعب باشد علاج آں نیز باید سخت تر بود۔ پس ہر مصیبتے که سختی آں از حد درگذرد۔ علاج آں بہتر از اقدام قتل نفس خویش نمیتواند شد۔"

ایں ہست خلاصۂ بعضے از دلائل آنانکه خودکشی را جائز بلکه مستحسن شمرده اند۔ اما کسانیکه بخلاف آں رفتہ اند میگویند "احکم الحاکمین که مارا در حصار زندگانی محصور ساختہ است تا فرمان واجب الاذعان او در نرسد۔ نباید پا ازیں حصار بیروں کشیم۔ زیرا که مارا نه ہمیں برائے نفس ما آفریده اند بلکه برائے عبادت الٰہی و خدمت ملک و خدمت قوم نیز مخلوق شده ایم پیش پیش ازانکه اجل مسمّٰے در رسد خود را بدست خود کشتن ادائے فرائض خود گریختن و مستحق سزائے طاغیان و باغیان گشتن است نکوئی را شجیع شجاعان عالم میتواں گفت که بہانہ ہائے انگیزد و تقریبہا میسجید تا بہ انواع حوادث و نوازل دو چار شود و از مقابلۂ آنہا رو برنتابد و تا بتواند بر آنہا غالب

کردہ گی برایشاں وبال نہ گردد۔

پیداست کہ بعضے از اطفال بالطبع از تعلیم اخلاقی متنفر و گریزاں میباشند بحدیکہ یک سخن ہزل را بصد پند سود مند ترجیح میکنند۔ و اگر آواز دف و چنگ بگوش ایشاں بخورد درس و کتاب را بر طاقِ نسیاں گذاشتہ و مکتب را خیرباد گفتہ دیوانہ وار بسوے آں مے شتابند۔ پس لائق تر بحالِ ایشاں آنست کہ بجاے علم و حکمت صناعتے از صناعات بہ ایشاں بیاموزند۔ زیراچہ تعلیم اطفال چنانکہ افلاطون گفتہ است باید موافق استعداد ایشاں باشد نہ بر حسب استعداد پدراں و نیاکانِ ایشاں +

خود کشی

مرگ راچنانکہ ظاہر ست اسباب بیشمار ست۔ از انجملہ یکے خود را بہ دست خود کشتن است آدمی را در کشاکش زندگانی اکثرے از نوازل و حوادث چناں پیش مے آید کہ از تحمل آں عاجز آمدہ مرگ را بر زیست اختیار مے کند۔ +

حکما را در آنکہ خود کشی در حالتے از حالات جائز میشود یا نہ۔ اختلاف ست۔ یکے را از حکما پرسیدند کہ آزادانہ زیستن چگونہ میسر آید؟ گفت از آنکہ مرگ را آسان شمرند۔ چہ کسیکہ از مرگ نمے ترسد از ہیچ رنج و مصیبت باک ندارد۔ گویند پسرے اسیر آمدہ بدستِ ظالمے فروختہ شد۔ آں جفاکار بذلیل ترین خدمتش مامور کرد۔ پسر گفت آیا گمان مے بری کہ ہر کہ ازیں ذلت آسان میتواند رست بہ اطاعتِ تو مجبور شود؟ ایں بگفت و خود را از کرپوۂ بلندے بہ پائیں انداختہ از قید حیات و قیدِ غلامی پاک برست۔ ازینجاست کہ گفتہ اند "مرد آنست کہ زندہ ماند چندانکہ خواہد نہ چندانکہ تواند" و گفتہ اند "منت خدائے را کہ کلیدِ مرگ بما

زینت میباشند و نمیدانند کہ غایتِ زندگانیِ ایشاں چہ بودہ است؟ چہ معنی زندگی بحقیقت آنست کہ انسان در تہذیبِ نفسِ خویش و نفعِ دیگران و تزکیۂ نفوسِ بنی نوع ہر قدر بتواند کوشش کند۔ بریں تقدیر پیداست کہ غالب روئے زمین بصورت آباد و بمعنی گورستان است۔ غالب مردم بظاہر احیا و بحقیقت اموات اند۔ اگرچہ اکثرے از ایشاں باہمہ گر بصلح و امنیت بسر مے برند۔ و از اطاعتِ بادشاہ سر نمے پیچند و ابنائے جنس را نمے آزارند۔ و اگرچہ عمرہائے ایشاں از ہفتاد و ہشتاد گذشتہ بہ نود یا بصد سال میرسد۔ اما بحقیقت زمانِ حیاتِ ایشاں ہماں چند ساعت یا چند روز است کہ در سود و بہبودِ خلائق گذرانیدہ اند۔

دوستی

کسیکہ بدوستیِ دوستاں ضرورت ندارد۔ ہمانا انسان نیست بلکہ حیوان است یا فرشتہ چنانکہ سخت ترین آلامِ جسمانی آنست کہ جاندار را دم خفہ کنند۔ ہمچنیں سخت ترین آلامِ روحانی آنست کہ آدمی را کسی دوست نباشد۔ ہر کس پیشِ دوستاں احوالِ خود از شادی و غم بیان مے کند گو یا شادیِ خود را دوچند میسازد۔ و از غمِ خود نیمے زائل میکند۔ آرے آنکہ از دوستیِ دوستاں محروم است بحقیقت یکہ و تنہاست اگرچہ خلقے بیشمار بگردِ او جمع آمدہ باشد چنانکہ گفتہ اند "اگر تمامیِ عالم از دست رود و بعوضِ آں یک دوستِ صادق میسر آید ارزان است ولاکن بر کثرتِ دوستاں مغرور نباید بود کہ عامۂ دوستاں بر مثالِ برگِ درختاں اند"۔

خشم بدتر از دیوانگی است

کسانیکہ خشم را بہ دیوانگی تعبیر میکنند ہمانا از حقیقت ہر دو بے خبر بودہ اند۔ چہ دیوانگی عبارت

آید۔ پس از نکروہاتِ روزگار گریختن و مرگ را بر تحملِ آنہا ترجیح دادن از نکوئی بمراحل دور افتادن است و فاضلترین اخلاق را کہ صبر و ثبات و ہمت و استقلال باشد معدوم ساختن ۔

افلاطون در قوانینِ موضوعۂ خود مے نگارد کہ "کمینہ ترینِ مرگہا مرگِ آنکس است کہ احبِّ احباب و اصدقِ اصدقاء را کہ خود نفسِ اوست بدستِ خود ہلاک کردہ باشد و از برکاتِ بقیۂ زندگانی کہ برائے او مقدر بود محروم ساختہ۔ و باعث برآں غیر از قصورِ ہمت و جبن و نامردی و ضعفِ عقل چیزے دیگر نباشد۔ آنانکہ زندگی را ہیچ مے پندارند بر عقلِ ایشاں خندہ مے آید۔ آیا نمیدانند کہ بضاعت ایشاں کہ بر او ناز میتواں کرد۔ درین دار فانی ہمیں زندگانی ایشان است و بس۔ و بعد از اتلافِ آں ہیچ چیز بدست ایشاں باقی نمیماند۔ اگر کسے بر زندگانی دیگراں بخندد و آں را حقیر و ناچیز شمارد عجب نیست۔ اما زندگانیِ خویش را حقیر شمردن و براتلافِ آں آمادہ شدن غایت ابلہی و نادانی است کہ در ہیچ جیوانے از وحش و طیر و بہائم و سباع نظیر آں نتواں یافت"۔

زندگانِ مُردہ

یکے از حکما گفتہ است کہ "آدمی را زندہ نمیتواں گفت مگر آنکہ بخدمتِ بنی نوعِ خود اقدام کند و کارہائے نمایاں و سودمند بروئے کار آوردہ نیک نامی جاوید حاصل کردہ باشد۔ ازینجاست کہ ہر کس از شاگردانِ فیثاغورس از تحصیلِ علم اعراض نمودے و از راہِ سستی و بطالت عہدِ صحبت ہمچشماں گسستہ مدرسہ را پدرود گفتے، سائر مستفیدان و متعلمانِ فیثاغورس قبرے بنامِ او میساختند و برلوحِ قبر او مینوشتند کہ "فلانے بمرد" تا دیگراں عبرت گیرند و چنیں حیات بدتر از ممات اختیار نکنند۔

پس ہمہ آنکساں بحقیقت از مُردگانند کہ روز و شب در بند اکل و شرب و صبح و مسا مشغولِ زیب و

ترقی بمعارج کمال بازے وارد ہیچکس چنانکہ معلوم ہست از عیب خالی نمیباشد تا بحدیکہ نیکو کاران ستودہ خصال نیز نمیتوانند دامن حال از آلایش عیب بکلی پاک دارند۔ چوں صورت حال بریں منوال است غایت ابلہی و محض نادانی ہست بہ زلات وخطایاے مردم آویختن واز محاسن ومحامد ایشاں چشم دوختن۔ بر نقائص خردہ گرفتن و از کمالات قطع نظر نمودن وابنائے جنس را اضحوکۂ اشرار واوباش ساختن۔

چندانکہ غور کردہ میشود استہزا نوعے از موازنۂ تست میان نفس خویش ونفس آنکس کہ بروے استہزا میکنی تا خویش را از و بہتر وبرتر وانمائی وخود را از خود بفریبی۔ عجب است از استہزا کنندگان کہ باوجود صد ہنر در ذات دیگراں بریک عیب ایشاں میگیرند و باوصف صد عیب در ذات خویش یک ہنر در خود نشان نمیدہند وعجب تر ازیں آنکہ نہ ہمیں بر عیب کساں میخندند بلکہ ہنرے نیست کہ رخنہ در خوبیِ آں نیسندانند ومنقبتے نیست کہ آں را اضحوکۂ اہل مجلس نسازند۔

عبارت کتابہ برائے مرقد مرحومی سید امیر علی رئیس دہلی غفر اللہ لہ

نیامد کسے در جہاں کو بماند مگر آں کزو نام نیکو بماند

سید امیر علی ابن سید وارث علی (رحمہما اللہ) چہل وہشت سال خوش وناخوش زندگانی دیدہ وتلخی وحلاوت ایں دار الغرور چشیدہ شب جمعہ دوم شہر رمضان سنہ ۱۲۹۲ ہجری بایں راغب الی اللہ وزاہد فی الدنیا داعی اجل را لبیک اجابت گفت۔ ہمہ عمر بقوت بازو کسب معاش کردہ در چشم خاص وعام موقر ومحترم بود۔ ومردانہ وآزادانہ مے زیست۔ از بدو شعور مدار معاش ودولتی با درس وتدریس کار داشت وتا بود ہم دریں کار بود وہم بریں بگذشت۔ اوسے از

از ناخوشی دماغ است که عقل را از دماغ زائل کند و کار بدانجا رسد که جملهٔ تکلیفات ازو ساقط گردد و بہیچ جرمے که مرتکب آں شود سزاوارِ تعزیر نباشد و ہر خطائے که ازو صدور یابد او را معذور شمرند و معاف دارند۔ بخلافِ خشم که از فرطِ حماقت و استکبار بر عقل و دانشِ مردم غالب آید و بکارہا برانگیزد که اگر صادر شود باشد که صاحبِ خشم را مضروب و مقتول گردانند و باشد که به سزا و تعزیر رسانند۔

محبتِ مادری

محبتِ مادراں با اولادِ خود قوی تر و پایدار تر از سائرِ محبتہاست که بہیچ حال کم نگردد و زنہار دگرگوں نشود و ہرگز بملالت نه انجامد۔ پدر میتواند از پسرے بگردد و برادر با برادر دشمن شود۔ و زن و شو از یک دگر بگسلند۔ اما مادراں با اولادِ نیک و بد ہموارہ یکساں سلوک کنند و از مہر و محبتِ ایشاں ہرگز سیر نشوند۔ رشتۂ مہرِ اولاد را دیرینه تر از مادر نیست که از روزِ استقرارِ نطفه در رحم محافظِ ایشاں میباشد۔ ہیچگاه نمیخواہد ایشاں را از سینهٔ خود جدا کند یا یک لحظه فراموش سازد یا بر نافرمانی و تقصیراتِ ایشاں از تهِ دل دعائے بد بر زباں آرد محبتش با اولاد از شائبهٔ غرض بکلی پاک است۔ لاجرم در وقتے از اوقات و حالتے از حالات تغیرے دراں راه نمییابد۔ اگر ہمه خلق اولادِ او را گذارد او از تعلقاتِ ایشاں دست بر نمیدارد بلکه دنیا و مافیہا را منحصر در اولاد میداند۔

استهزا

بر مردم خندیدن و به استهزا و مسخرگی عادت گرفتن از دنائتِ نفس میخیزد۔ و جواناں را از

آں نتوانست کرد۔ و آثار یاس بر دلہا مستولی شدہ ہیں کہ کلمۂ توحید بزبان راندند و شاہدین را بر اسلام خود گواہ گرفتند۔ و زود داعی اجل را لبیک اجابت گفتند۔ و ہر یکے را از دور و نزدیک و قریب و بعید سوگوار و ماتم دار و از ذکر جمیل و نام نیک بر خاطر ہر یک نقشے ہنوز گذاشتند۔

نثر قدیم[۱]

تقریظ دیوان فارسی حضرت حسرتی رحمہ اللہ تعالیٰ کہ در سال ہزار و ہشتصد و ہفتاد و دو مسیحی در زمان حیات مصنف مغفور نوشتہ بود

رباعی

ہر چند ستایش سخن دین من است میگویم و راست گفتن آئین من است
در مدح سخن ساختگی نیست مرا تحسین سخن شناس تحسین من است

الا اے ہوشمند فرزانہ دریں روزگار کہ جنس بالا دست سخن از متاع حسن نوخطان نا رواتر و دم گیرائے اہل سخن چوں نفس سرد واعظان بے اثر افتادہ است۔ زنہار گمان نبری کہ اندازۂ قدر گفتار را نقصان فرا گرفتہ است۔ و سرمایۂ لفظ و معنی بزیان رفتہ چشمۂ حیواں اگر در ظلمات پنہاں گردد خاصیت جان بخشی از وے بیروں نرود۔ و ماہ کنعان اگر در بازار مصر بہیچ نیرزد جوے از نقصان کامل حسنش کم نشود۔ کما قیل ۔

[۱] اگرچہ قدیم طرز کی نثر سے اب طبیعت متنفر ہو گئی ہے لیکن چونکہ ان میں بعض نثریں گراہی بہا ہندی کے زمانہ کی یادگار ہیں۔ اسلیئے انہیں بالکل ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا ۱۲ حالی

حاکم و محکوم و تابع و متبوع را ابداً از و ملالتے نبوده و کسے از آشنا و بیگانہ زبان بہ شکوه او نیالوده۔ الحق از نکوئی و حسن معاملت و تواضع و فروتنی و دیگر مناقب جلیلہ کہ در طبعش جبلّی بود۔ اندکے از بسیار نمیتواں شرح داد۔ و حسن خاتمت کہ غایت جملہ نکوئیہاست چنانکہ خود او را میسّر آمده از صلحاء و اتقیاء و ابرار و اخیار ہر کرا دست دہد غنیمت کبرے میتواں شمرد۔

ایماں بلب و دل بہ رہ و دیدہ بہ دوست　　　　بایں یک رہ اجل خندہ زناں پیش رسید

کتبہ لوح مرقد مرزا الٰہی بخش مرحوم کہ حسب اقتراح جناب مرزا سلیماں جاہ صاحب نوشتہ شد

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ

والہمین شمع بزم گورگانی و آخرین ثمرۂ شجرۂ صاحبقرانی صاحب عالم حضرت میرزا ہدایت افزا بہادر المعروف بہ میرزا الٰہی بخش (طاب ثراه) در سال یکہزار و دو صد و بست و یک ہجری از نہانخانۂ غیب بجلوہ گاہ شہود خرامیده ہفتاد و اند سال بنظارۂ اعجوبہائے ایں عجوزہ سال خورده چشم وا داشتند و با دہر ناساز گار مردانہ بر روئے کار آمده بس مراحل دشوار گذار را آساں طے نمودند ہم در عہد امن و سلامت و ہم در طوفان حوادث و فتن لنگر سفینۂ نجات در دست ایشاں بود۔ در مدت حیات با ہر یکے از طبقات انام آنچناں سلوک ورزیدند کہ اقارب و احباب را بصدق مصافات و اجانب و اغیار را برفق و مدارات و ضعفا را بہ بذل و مسامحت و اقویا را بحسن معاشرت در سلک یکجہتی کشیدند۔ شب پنجشنبہ شانزدہم ربیع الاول سال یکہزار و دو صد و نود و پنج ناخوشی سعال کہ رفیق دیرینۂ ایشاں بود آنچناں اشتداد گرفت کہ ہیچ چارہ و تدبیر مقاومت

خدیو شش جہت عالم حقیقت را فرمانروا۔ نگارستان رنگیں بیانی را چہرہ پرداز۔ بہارستان شگفتہ طبعی را چمن پیرا۔ رمز شناس سرائر عقل و نقل۔ نکتہ سنج غوامض درایۃ روایۃ۔ مرحلہ پیمائے طریق نظر و استدلال۔ قصب السبق ربائے عرصۂ فکر و قیاس۔ شمسہ پیشطاق بلند نظری و الافطرتی۔ نواب نجحت القاب محمد مصطفٰے خاں بہادر متخلص بہ حسرتی۔

بِلَفظٍ لَا یُعَبِّرُ عَن مَعَانٍ أَحَاطَتهَا مَکَارِمُ ذِی الهُمَامِ

اَللّٰھُمَّ مَتِّعنَا وَمَتِّعِ الکُلَّ بِدَوَامِ بَقَائِہٖ وَ مُدَامِ دِمَائِہٖ۔ حوصلۂ بسیطش جہانیست کہ بلندی ہمت آسمان اوست۔ و قدر رفیعش آسمانیست کہ فروغ خرد مہر درخشان اوست۔ ضمیر منیرش نقد حقائق را گنج شایگان۔ و چراغ فکرش انجمن قدس را شمع شبستان۔ حلۂ الفاظش سراپای معنی را پیرایۂ ناز۔ و حلیۂ عبارتش گوش و گردن مضمون را زیور امتیاز۔ افسون لطف گفتارش در تسخیر آزادہ دلاں چوں قید و بند۔ و معجون نطق شکر بارش در مذاق حنظل طبعاں چوں شہد و قند۔ استعاراتش چوں اشارۂ چشم خوبان دلربا۔ و عباراتش چوں چشمۂ آب حیواں جاں فزا۔ اطنابش چوں طول شکوۂ دوستداراں سامعہ نواز۔ و ایجازش دلاویز تر از نگاہ چشم نیمباز۔ فکرش از دعائے سحری شب زندہ داراں رساتر۔ و سخنش از نالۂ نیم شبی جگر خوارن گیراتر۔ فقرۂ شیرینش نگویم شیرۂ جان اما پارۂ شیریں تر از آں۔ و مصرعۂ رنگینش نگویم برگ گل اما دل از کف رباینده بلبل۔ رائحہ انفاسش از نکہت گل در دماغ بلبل بل از عطر پیرہن در مشام یعقوب سازگارتر۔ و شہد مقالش از شحۂ زلال در کام مستسقی بل از جرعہ مے در مذاق مخمور خوشگوار تر۔ الحق گرمی طبع پر زور شرابیست کہ تمکین پسنداں اگر ہمہ کوہ وقار باشند بیک جرعہ از آں خود را نگاہ نتوانند داشت۔ ورنہ خواجہ را کہ عندلیب شاخسار ملکوت۔ و طوطی شکرستان لاہوت است با غزل سرائی و بذلہ سنجی چہ کار۔ و چگونہ روا باشد کسے را کہ در طریق علم و حکمت برابر سقراط و فلاطون

از قیمتِ یوسف نشود یکسرِ مو کم   هرچند خریدار به بازار نباشد

اگر گوئی که سخن را که مکانتے بلند و قدرے ارجمند است۔ خود بوجودِ نکته ورانِ سخن پیوند است ورنه لفظے است بے معنیٰ۔ و اسمیست بے مسمّیٰ۔ و سخنور چنانکه معلوم است امروز از جهان معدوم است۔ پس اگر کبریتِ احمر را خاصیتِ اکسیر باشد گو باش۔ و اگر سایۂ هما فرۂ اقبال با خود دارد گو بدار۔ ازاں که نه موجود است چه خیزد۔ و از آنکه مفقود است چه زاید۔ گویم آرے چنانکه فرمودی هنر از توابعِ وجودِ اهلِ هنر است۔ و عرض از لواحقِ ذاتِ جوهر۔ و چندانکه هنرمند کمیاب هنر کمیاب تر۔ اما با ایں قصورِ نظر و نقصِ ادراک۔ و ناتمامی دانش و نارسائی دریافت که مرآدمی راست چگونه میتواں گفت که اهلِ کمال را جز در نشیمنِ عنقا آشیاں۔ و از سخن جز اسم و از سخنور جز رسم در جهان نیست ؎

خاکسارانِ جهاں را بحقارت منگر   تو چه دانی که دریں گرد سوارے باشد

سرت گردم اگر برقِ حوادثِ روزگار مرغانِ نواسنج را آشیانها پاک بسوزد تا عندلیبے در چمن نغمه سرا است باغ را دشت نتواں خواند۔ و اگر طلوعِ سپیدۂ سحری رونقِ بازارِ ستارگان برهم شکند تا مهرِ درخشاں عالم افروز است جهاں را تاریک نتواں گفت۔ گرفتم هنر را گرمیِ بازار نه چندان است که کالائے گرانبهائے معنی از هر دکان میتواں خرید و گنجِ شایگانِ سخن در هر خرابه میتواں یافت اما صاحب نظراں دانند که با اینهمه نادر ایںها در کیسۂ روزگار رخشنده گوهرهاست۔ از چشمِ کور سوادان مانندِ گنج در ویرانه پنهان و بر سپهرِ کمال فروزنده اخترهاست از دیدۂ شپّره چشمان چوں مهرِ جهانتاب سر در نقابِ کتمان۔ علی الخصوص دُرِّ یتیمِ معانی۔ مهرِ منیرِ فلکِ نکته دانی۔ قائمۂ عرشِ تحقیق۔ بابِ مدینۂ تدقیق۔ بحرِ لجّیِ علم و ایقان۔ کوکبِ دُرّیِ افقِ عرفان۔ بهیں ثمرِ نخلِ برومندِ باغِ ارادت۔ گزیں نتیجۂ پیوند مادّه و صورت۔ شناورِ دریائے حقیقت۔ رهروِ صحرائے طریقت۔ چارسوئے مملکتِ معنی را نگهبان

چوں لحنِ داؤدی آہن راموم تواند کرد۔ بنا میزد خمکدۂ صہبائے ذوق است و پردۂ آہنگِ شوق
نظرگاہِ پاکاں شاہد باز است و نیرنگِ حقیقت و مجاز۔ انیسِ خلوتِ گوشہ نشیناں است و جلیسِ صحبتِ
عشرت گزیناں۔ تہیدستانِ خرد را سرمایۂ ہوش است و دُردی کشانِ جنون را بادۂ سرجوش
نسخۂ مفرحِ روحانی است و مجموعۂ لطائفِ وجدانی۔ طالعِ سخن را رقمِ سرنوشت است و شاہدِ معنی را
حُسنِ خداداد۔ روزگارِ فراق را نُجستہ سرگذشت است و ایامِ وصال را فرخندہ روئداد۔ گلشنِ
نظم را موسمِ بہار است۔ و زمینِ شعر را آبِ جوئبار۔ تفسیدہ دروناں را مایۂ فرات است و شادآ
طبعاں را شیرۂ نبات۔ بالائے گفتار را خلعتِ دیبا است و تشریفِ قبول را قامتِ زیبا۔
آنانکہ خاطرِ نکتہ فہم و طبعِ ادا شناس دارند بیابند۔ و سرتاسرِ ایں قدسی صحیفہ بدیدۂ ہوش بنگرند
تا دارستند کہ مرایں نکتہ سنجِ معجز بیاں را در گذارشِ سخن خاصیتے است کہ دیگراں بر آں دست
نیافتہ اند۔ و اگر رہست پرسی کرامتے است کہ از خامۂ الہام طرازش بروئے کار آمدہ یعنی جمہور
اہلِ فن چنانکہ دانی اتفاق دارند بریں معنی کہ شعر را چندانکہ از حدِ راستی دورتر برند بقبولِ دلہا
نزدیکتر باشد۔ و ہر قدر از اوجِ صدق زیر تر اندازند پایۂ حسنش بالاتر رود۔ و حق اینست کہ سخن
بے مبالغہ و اغراق دلفریب نبود۔ چنانکہ نظامی میفرماید ؎

در شعر مپیچ و در فنِ او — چوں اکذب اوست احسنِ او

باایں ہمہ گفتارِ آبدارش بے آنکہ چاشنی تبلیغ و غلو داشتہ باشد دلاویز تر از عشوۂ شاہدانِ
مہوش و ذوق انگیزتر از بادۂ بیغش افتادہ است۔ انصاف بالائے طاعت است ایں مایہ
گفتار کہ آسمان برفراز است و زمین در نشیب سرچشمان در زیر ابروانند و دندان جملہ در دہان از
شنوندہ چہ دل رباید۔ و مستمع را چہ ذوق بخشد۔ پس بے آنکہ نوعے از صنعتِ اندیشہ و ایجاد
طبیعت را دراں راہ دہی۔ چہ ساحری توانی کرد تا سامعہ یاراں بنوازی۔ و شورِ حسنت در انجمن

قدمے راہ رفتن موجب ننگ و عار باشد۔ در کمینہ صناعتی امثال عرفی و نظیری را مقلّد عمل بودن و زلالی و انوری را مقتدائے فن ساختن۔ گر فہم ور زبانِ سلف نقدِ معنی را گنجینہ داران و عرصۂ فکر را شہسواران بودہ اند۔ و ہنگامۂ گفتار را گرمیٔ بازار۔ و ریاض سخن را رنگِ اعتبار بیش از زمان صاحب دیوان بودہ است۔ اما کسانیکہ در مصطبۂ ذوق رطلِ گران پیمودہ اند و از مائدۂ تمیز حظّ وافر بردہ نیک میدانند کہ با آنکہ قطرہ ہا در بحر۔ و سبزہ ہا در دشت۔ و دستہ ہا در سبد۔ و نغمہ ہا در ساز۔ و جرعہ ہا در ساغر۔ و بادہ ہا در سبو۔ و بذلہ ہا در گفتار۔ و افسونہا در عمل۔ و شعرہا در دیوان و مصرعہ ہا در غزل فراوان بود۔ ہر قطرہ دُرِّ ثمین۔ و ہر سبزہ گل و یاسمین۔ و ہر دستہ دستۂ گل و ہر نغمہ نغمۂ بلبل۔ و ہر بذلہ نُقلِ محفل۔ و ہر افسون جادوے بابل۔ و ہر شعر تر۔ و ہر مصرعہ نشتر نباشد۔ رباعی

زمزم نتوان بہ بہر چشمہ رواں　　یوسف نتوان خرید از ہر دکّاں
ہر لب دمِ اعجاز ندارد چو مسیح　　ہر کس نبود چو حسرتیِ سحر بیاں

جادہ کہ وے در سخن سنجی مے پیماید پیشینیان نیز پیمودہ اند۔ اما پاشنہ ہا ریش و پا ہا آبلہ دار نبودہ است۔ اگر قدمے رفتہ اند۔ و خواجہ ہمہ گلگشت کناں میرود۔ و آہنگے کہ او دریں پردہ مے سراید دیگران ہم سرودہ اند۔ اما لفظ ہا از سیر و اندیشہ ہا از تگ فرو ماندہ است۔ اگر مصرعے سنجیدہ اند و خواجہ ہمہ بدیہہ مے سنجد۔ آرے نغمۂ حقیقت در پردۂ اشعار سرودن و اسرارِ معنوی در کسوتِ تعبیر و بیان جلوہ گر نمودن نہ کار ہر حریف گفتار شوخ بیان ہست۔ و آنگاہ حال تا قال و اثر تا عین تفاوتِ بسیار دارد۔ اینک دیوانے ترتیب دادہ و مجموعۂ فراہم آوردہ کہ سخن را اوج کمالے برتر از آں دست دادن و سخنور را سرمایۂ قبولے خوشتر از آں بہم رسیدن دشوار تر از آنست کہ نالۂ مرغان خوش آہنگ بموزونیٔ عشاق و نہاوند تواند رسید۔ و مرغولۂ مطربان جادو نوا

سرِ شوریدہ باشد۔ ہمانا خویشتن را زحمت و انجمن را کلفت افزودہ باشد۔ تکلف برطرف۔ دلے داشت ہمہ موجِ خوں۔ و سرے داشت سراپا جنوں۔ شبے بہ درازی شب ہائے فراق و وقتے بہ پراگندگی خاطرِ عشاق۔ بے خودی ہمہ نقد گنجینۂ ہوش۔ ہستی ہمہ تعبیرِ خوابِ فراموش۔ ولولہ ہا میکرد و از جائے رفت۔ نالہ ہا میکشید و دم نمیزد۔ گاہے اشک جگرگوں از دیدہ می بارید۔ و گاہے بر گریۂ خود میخندید۔ گاہے از روزگار نالیدے و گاہے از بخت نگونسار۔ گاہے بر اہرمن نفریں کردے۔ و گاہے بر نفسِ خویشتن گاہے در جستجوئے وقتِ رفتہ چپ و راست می نگریست و گاہے از عمرِ رفتہ یاد میکرد و میگریست۔ گاہے رشتۂ امل چنداں دراز کردے کہ عنقا را اسیرِ دامِ خود پنداشتے۔ و گاہے از دورباشِ حرماں آنچناں گسستہ امید گشتے کہ سہل را دشوار و اندک را بسیار انگاشتے۔ بالجملہ حالتے در پیش داشت کہ تیامنے با خویش داشت۔ در چنیں ہنگام کہ صحبتِ احباب چوں فرقتِ محبوب ناگوار۔ و بذلۂ اصحاب تلخ تر از طعنۂ اغیار بود۔ اگر سودائے گفتار در سر و خلش ایں خار در جگر نمیداشتم غنچۂ خاطرم ہیچ نشگفتے۔ و دردِ دلم نہ ہار چارہ نپذیرفتے رفتم کہ بمطالعۂ دیوانِ حضرت خواجۂ شیراز دے خالی کنم و بیک دو جرعہ ازاں بادۂ کہن غمِ دین و دنیا فراموش سازم۔ ناگرفت از دریچۂ ہوش ایں صدا بگوش خورد کہ ہاں و ہاں حالی روشن نفس۔ اے بفہمِ او آشناس و بفکرِ بالغ رس ہم شکر ریزی طوطیانِ ہند دیدہ۔ و ہم نغمۂ بلبلانِ عجم شنیدہ۔ یکے در چمنستانِ سالک بیا۔ و دیدہ و دل را رخصتِ تماشا دہ۔ تا دریابی کہ گلشنِ معنی در عینِ خزاں شگفتہ و شاداب است و نہالِ سخن در پایانِ موسم تازہ تر از عہدِ شباب۔ ندانم ایں صدائے دلکش از کجا بود و چہ بلا گرمی اثر با خود داشت کہ تا از پردۂ گوش بدل فرود آمد۔ مرا در من نگذاشت۔ چوں بخود باز آمدم گرم از جا

اندازی۔ ہمانا کار کار بشر نیست۔ خواجہ سخن سرائی نمیکند۔ معجز نمائی میکند۔

ہیہات در سپارش راہ مدح جادۂ تنزل بپیمودم و ممدوح را نہ باندازۂ قدر والایش ستودم۔ بحث از فضائل ذات و جلائل صفات بود۔ و سخن در توابع و عوارض گفتہ آمد۔ و لختے بدرازی کشید۔ ہرگاہ مشکت زعفران را روائح روح پرور در نہاد است و مہر و ماہ را بوارق نور گستر خداداد۔ آن دو را زندہ چہ ہر اسبابی و زردی ستودن۔ و این دو رخشندہ گوہر را بر گرمی و سردی آفرین نمودن چرا۔ ہمانا قدم رخش کہ بہنگام تاخت بیراہہ رود عیب عنان گیر است۔ و پردہ ساز کہ در مقام بلندی بپستی گراید از قصور مغنی است۔ اکنون کہ رہ نورد نظر را پائے رہ پیما بسنگ آمد۔ و عجز بیان حیلہ جستن و بہانہ انگیختن آغاز نہاد۔ زنہار گمان نبرند کہ مدائح سخن و محامد سخنور بپایان رسیدہ باشد تا خامۂ ستایشگر از خرامش و اندیشۂ ثنا گستر از سگالش آرمیدہ باشد۔ حاشا حاشا کہ اگر قصیدہ را وحی و رباعی را الہام و غزل را اعجاز و غزل سرا را معجز نما گفتہ باشم۔ حرفے از آن طومار و اندکے از آن بسیار بسزا گفتہ باشم
آہ چہ توان کرد ہم تیر نارسا۔ و ہم صید بلند پرواز۔ ہم شب کوتاہ و ہم افسانہ دراز

زبان نکتہ فرو ماند و راز من باقیست — بضاعت سخن آخر شد و سخن باقیست

اللہ بس ماسوٰے ہوس

تقریظ دیوان سالک

صد قول بیک مزہ طی میکنم امشب — مستی نہ باندازۂ مے میکنم امشب

حیرت زدۂ نیرنگی این کہن آشوبگاہ۔ حالی نامہ سیاہ کہ دوش در شکنجۂ غم و اندوہ چون مرغ تازہ بدام افتادہ سراسیمہ و دلتنگ و باسخت جانی خویش در جنگ بود۔ اگر حرفے از روداد خود

مرا و ہمچو من ہزار را بجائے غالب۔ آں در سخنوری یکتا۔ و در پاک گوہری بے ہمتا۔ آں در شعلہ زبانی علم۔ و در شیوہ بیانی مسلّم۔ آں رہرو قدسی مسالک جناب مرزا قربان علی بیگ متخلص بہ سالک لازال ظلہ ظلیلاً و ذکرہ جمیلاً کہ امروز در نکتہ وری و نکتہ سنجی اُستادِ اُستاد است۔ و جہان آباد از شرفِ وجودِ مسعودش جہان آباد است۔ الحق اگر سخن را صہبا میتواں گفت سخنش سر جوش بادۂ سخن است۔ و اگر شاعری را فن میتواں خواند خواجہ یگانۂ ایں فن است۔ یارب چنانکہ ہند از غالب خلد آرامگاہ رشک ایران و توران بودہ است۔ دہلی از سالکِ معنی پناہ غیرتِ شیراز و صفاہاں باد۔

تقریظِ دیوانِ قلق

ایں دیوانِ غرابت عنوان از افاداتِ مرحومی حکیم غلام مولی المتخلص بہ قلق است کہ شاگردِ رشید۔ خانِ رفیع المکان جناب غفران مآب حکیم مومن خانِ مومن بودہ اند۔ اصل ایشاں از میرٹھ و در دوازدہ سالگی از آنجا بہ خیر البلاد جہان آباد آمدہ و بہ کسب کمال و تحصیلِ علم پرداختہ اند۔ و تا زمانیکہ واقعۂ طغیانِ سپاہِ یاغی آں شہر لطافت بحر را موردِ آفاتِ مرکزِ فتنہ و بلیات کردہ۔ ہمدرینجا اقامت داشتند۔ مدتے طویل زبانِ پارسی از انفاسِ متبرکہ مولانا امام بخش صہبائی فراگرفتند۔ گویند از جملۂ شاگردانِ آنجناب بہ جودتِ طبع و حدتِ ذہن اختصاص داشتند۔ و صرف و نحو و منطق و دیگر فنون عربیہ را از ملا انتظام علی سہارنپوری اخذ کردند۔ و طب از حکیم غلام نقشبند خاں دہلوی کسب نمودند۔ درآں ایام کہ گلشنِ دہلی را آخرِ فصلِ بہار بود۔ جمعے از گرانمایگانِ عالمِ معنی و چابک خرامانِ عرصۂ سخن چوں غالب و ذوق و مومن و سائرین کہ در سخنوری و نکتہ پروری فخرِ دہلی بل نازشِ ہندوستان بودند۔ دریں

برخاستم و دیوانِ سالک خواستم۔ سبحان اللہ کتابے دیدم چون نسخهٔ جمالِ یوسفی سراپا انتخاب و زلیخاے سخن را بازگشتِ عهدِ شباب۔ ابیاتش ریخته اما رشکِ پهلوی و دری۔ بیانش ساده اما نمونهٔ گفتارِ سعدی و انوری۔ مضامین همه تازه و نو۔ معانی همه الفاظ را در گرو۔ قصیده و غزل همه طلسمِ رنگ و بو۔ قطعه و رباعی همه کرشمه و جادو۔ ذکرِ فراق دل آویزتر از وعدهٔ وصال شکوهٔ جفا طرب انگیزتر از مژدهٔ وفا۔ آنجا که طولِ مقال است لفظ را اندازهٔ وسعتِ خیال است و آنجا که اختصارِ بیان است هفت دریا در کوزه نهان است۔ منکه جز بگفتارِ پیشینیان سرے در کوچهٔ خموشان گذرے نداشتم۔ از حلاوتِ این ثمرِ نورس آنچنان کانِ کام و زبان ساختم که دل از ذوقِ قندِ نظیری و چاشنیِ نمکِ عرفی یکلی پرداختم۔ گویند هر سخن سنج را در غزل سرائی طریقے خاص است که مراورا بدان طریق اختصاص است۔ یکے از آتشِ عشقِ مجاز چراغے در راهِ فکر نهاده۔ و دیگرے از عالمِ حقیقت درے بروے دل کشاده۔ یکے در حسنِ معنیِ بلند باعنقا هم پرواز۔ و دیگرے در بستنِ معاملات و وقوعی کرشمه سنج و سحر پرداز۔ یکے را وصفِ دلدار پیرایهٔ بیان۔ و دیگرے را رشکِ اغیار تازیانهٔ زبان۔ کمتر کسے بوده باشد که این همه مراحل را بیک رفتار پیموده باشد۔ آرے در هر شیوهٔ سخن نغز گفتن و در هر رشتهٔ گوهرِ معنی سفتن۔ نه حدِ هر حریفِ گفتارِ شوخ بیان است۔ اما در خمکده که غالب باده فروش است و سالک باده پیما۔ باده ها همه سرجوش است و نشه ها همه رسا۔ اینجا مستی حریفان در شمار نه بینی۔ اینجا حریفے در خمار نه بینی۔ اینجا لاے خوار اند بر چرخ موج زن۔ اینجا دُردی کشان اند با عطارد هم سخن۔ اینجا نواهاے گوناگون از یک قانون بر می خیزد۔ اینجا اداهاے رنگارنگ از یک طبعِ موزون سر بر میزند۔ اینجا هر کس جانِ سخن است و سخن جانِ اوست۔ و حسنِ معنی از آنِ اوست بلکه آیهٔ در شانِ اوست۔ خلاصه آن آئینهٔ صورت نماے غالب۔ و

تعلق داشت کہ وجہِ معاش و سامانِ قوتِ لایموت ایشاں بود۔ بسیار قانع و غیور و بفضل و هنر از مال و دولت مستغنی و در شعر و سخن عند الطائفہ بہ استادی علم بودند۔ و نیز در طبابت دستے داشتند و لختے از اوقاتِ عزیز در معالجہ و مداواے مرضی بذل میفرمودند۔ از وصایاے ایشاں کہ پیش از وفات با کہین برادرِ خود درمیان نہادند یکے آں بود کہ دیوانِ اشعار ایشاں را بقالبِ طبع ریختہ اشاعت آں کردہ باشند۔ یگانہ وادگر حق گستر و فرزانہ هنرور هنرپرور ابو محمد عبد اللہ کہ برادر اصغر حکیم مغفور میباشند۔ باآنکہ در مدارس انگلیسی تعلیم یافتہ عمرے دریں وادی بسر بردہ اند چنانکہ واب الکثر از انگلش دانان است۔ ذوق شعر و سخن کمتر دارند و نیز از خدماتِ متعلقہ خود فارغ نیستند۔ باز وصیتِ برادر مرحوم را از جملہ فرائض مکتوبہ دانستہ کوششے بلیغ و توجہے فوق العادة در طبع و اشاعتِ کلامِ ایشاں بکار بردند۔ و بانند اخلاقِ رشید و اعتبارِ سعید وصیتِ آں مغفور بجا آوردہ نامِ برادر را بہ گیتی شہرہ و خود را از برادر نکونام تر ساختند۔

لراقمہ

گر برادران زیشاں مہر و دوستی ورزند۔ چوں رسد بفرزنداں نوبتِ نکوئیہا

عرضداشت بحضور نواب کلب علی خاں بہادر رئیس رامپور در شکرِ عطیہ دیوانِ فارسی سوم بہ دستنبوی خاقانی و مجموعہ نثر فارسی سوم بہ درة التاج

عالم پناها! سہ روز ست کہ بعد یک ماہ سفر توقیب کہ در اوائلِ رمضان فجاءة بحسبِ ضرورت اتفاق افتادہ بود بدہلی رسیدم و عنایت نسخہ اکسیر اعظم یکے

معمورہ بیاد اشتند۔ و از فیض وجودِ ایشاں عالمے را ہولئے شعر و سخن در سر افتادہ بود۔ حکیم مغفور کہ با موزونیِ طبع و جودتِ ذہن فکرے بلند پرواز داشتند۔ باوجود مشاغلِ علمیہ نتوانستند خود را ازیں بادۂ مرد افگن برکراں دارند۔ لاجرم داعیۂ غزل سرائی در خاطرِ ایشاں پدید آمد۔ مومن مرحوم را چنانکہ از مطالعۂ دیوانِ ایشاں مفہوم میشود بہ استادی برگزیدند و رفتہ رفتہ در خاطرِ استاد موقعِ قبول یافتند۔

مخفی مباد کہ مومن مرحوم در غزل و اصنافِ دیگر از سخن دو طریق مسلوک داشتہ اند یکے عام و دیگر خاص۔ طریقے کہ عام است و آں کمتر است ہمیں طریقۂ میر و میرزا و سائر ریختہ گویان نامی و استادانِ گرامی است۔ و طریقے کہ نتیجۂ طبعِ وقادِ ایشاں مخصوص با ایشان است۔ اگرچہ از شاہراہِ عامۂ شعرا بیگانگی دارد اما سببِ شہرت و بلند آوازگیِ حکیم سابق الوصف شدہ ایشاں را در چار سوے ہندوستان بہ استادی و نازک خیالی و دقت آفرینی علم ساختہ۔ از انجا کہ حکیم مولی بخش قلق رامیلِ طبع و مناسبتِ خاطر بطریقۂ خاصۂ خویش دیدہ بودند نظرے خاص بحالِ ایشاں مے گماشتند و بعلاوۂ اصلاحِ سخن و القاے غوامض و دقائقِ ایں فن انواعِ لطف و کرم و اصنافِ شفقت و عنایت مبذول میداشتند تا آنکہ سخنِ ایشاں نوعے پختگی پیدا کردہ ہر جا کہ بزمِ مشاعرہ انعقاد مے یافت با استادانِ دیگر ہمطرح شدہ دادِ غزل سرائی میدادند و حاضرین را تعجب بر تعجب و حیرت بر حیرت مے افزودند۔ چوں آتشِ بغی و فساد در چار سوے دہلی بالا گرفت۔ ما مے بہتر از آنکہ بوطنگاہ خود معاودت کنند۔ درمیان ندیدند۔ ناگزیر از دہلی بہ میرٹھ رفتہ ہمدر آنجا رختِ اقامت انداختند۔ و تا سال ہزار و دو بیست و نود و شش کہ سالِ رحلت ایشاں ازیں خاکدان بہ عالمِ جاودان است در انجا بودند۔ در بعضے مدارسِ دولتی خدمت درسِ فارسی با ایشاں

بطبعِ اشرف بندگان حضور راہ یافتہ است ۔ ہمیں کہ ایں خبر مشوّش بگوشِ خیر سگال خرد و
سوابقِ حقوق خسروی کہ مرّۃ بعد اُخرےٰ بریں بندہ متحقق بودہ است برآں آورد کہ خود را مُہلت
یک ساعت نہ دادہ زود از جائے برخیزد ۔ و ہر قدر عجلت کہ میتواں بکار بُرد بجا آورد و بدرِ
دولت رسد ۔ و چشمِ تمنا را بنورِ جمال باکمال منور گرداند ۔ اما یک ماہ بیش گذشتہ باشد کہ
بہ عوارضِ نزلہ و سُعالِ مفرط و ذات الجنب وغیرہ مبتلا است و ازیں جہت در ادائے
فرائضِ خدمت متعلقہ نیز قصورے راہ یافتہ است ۔ و نیز نمیتواند خود را بہ وطن برساند
پس بکمال شرمساری و خجالت خوے از جبین سر دادہ و سر در پیش افگندہ تمہیدِ عذر و پوزش
جسارت مینماید ۔ بو کہ بموقفِ اجابت رسد ۔ و مع ذٰلک عزم جزم کردہ است کہ ہر گاہ در امراضِ
لاحقہ افاقتے بہم رسید علی الفور باندازِ تقبیلِ عتبۂ عالیہ خواہد شتافت ۔ و مہما امکن از عہدۂ
بعضے از حقوقِ بندگی بیروں خواہد آمد ۔ امید از درگاہ قاضی الحاجات و مجیب الدعوات
آں دارد کہ لشکرِ تمامے عالمے از مساکین و ضعفاء و ارامل و ایتام و صلحا و زہاد و فقراء
و عباد و دیگر بندگانِ الٰہی کہ از مائدۂ نعمتِ خسروی بہرہ مے ربایند و در سایۂ عاطفتِ حضور
تربیت مییابند ۔ زود مدافعتِ جملہ بلیّات و مقاومت تمامی مکروہات نواند کرد کہ مخبرِ صادق
علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا را رادّ القضا فرمودہ است ۔ اَللّٰہُ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ +

عریضہ بنامِ نامی جناب مرزا اسد اللہ خان غالب در بیان معنی شعر نظیری کہ جنابِ ممدوح آنرا ناقص العیار و نظری قرار دادہ بود حسب ایمائے اَحباب

قبلہ و کعبہ ۔ سخنے را کہ اندازہ دانانِ گفتار و ادا شناسانِ معنی از نظرِ اعتبار انداختہ
باشند ۔ گو ہمہ از نظیری و عرفی باشد بہیچ تاویل و توجیہ طراز قبول نتواں داد خاصہ بسبب معنی ہیچ

درة التاج و دیگر دستنبوے خاقانی بتوسط مکرمی میرزا داغ برخوردم اما بسبب تاخیرے کہ در گذاردن فریضۂ سپاس گذاری بالاضطرار لا بالاختیار بروے کار آمد بغایت منفعل شدم۔ اما الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ کار با حضرتِ کریمے ست کہ ہم خطا پوش ست وہم عذر نیوش۔ بالجملہ در شان این ہر دو شاہد رعنا زبان بمدح کشودن روشنان سپہر را بہ ظن و تخمین بر شمردن و عمق بحر محیط را بہ گز پیمودن است۔ سبحان اللہ با وصف مفاخر دینی و دنیوی و کمالاتِ صوری و معنوی و فضائل علمی و عملی و محامد خَلقی و خُلقی و محاسن وہبی و اکتسابی در نظم و نثر اردو و فارسی نیز کہ درین مرتبۂ جلیلۂ خدام والا مقام ست مکانتے ارجمند کہ امروز باذاتِ قدسی صفات ست۔ در عامۂ ابناے زمان عموماً و در اہلِ صناعت خصوصاً کمتر دیدہ میشود۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ کسانیکہ شعر را قمیص خود ساختہ اند و عمرے دراز درین وادی خاک بیزی کردہ ہر آئینہ از منزلگاہِ خسروی بمراحل دور افتادہ اند۔ آرے ؎

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید   دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

یارب شجرۂ طیبۂ ذات ملکی صفات کہ اصل او در زمین و فرع او فوق السمٰوٰت است ابدَ الآبدین و دہرَ الداہرین از ثمرات گونا گون والہی بارور و بر فرق ابناے امانی و آمال سایہ گستر باد۔

ایضاً

بعد از تقدیم وظائفِ خیر اندیشی و دعاے صحت و سویت مزاج اقدس اعلےٰ کہ عین معین فیض عام و رکن رکین بناے اسلام ست بعرض مطلب می پردازد۔ امیدگاہا درین نزدیکی بسمع فدوی ہوا خواہ رسیدہ کہ از ناخوشی ہاے دیرینہ درین روزہا تغیر نمایے

خود را بجذب عشق۔ و کنز مخفی را کہ عبارت از حسن مطلق است بیوسف در چاہ افتادہ تشبیہ دادہ است و وجوہ تشبیہ ظاہر ست فقط۔

بنام جناب حافظ قاضی عبد الرحمٰن مرحوم پانی پتی متخلّص بہ تحسین

یا رب ایں قدر سرگرمیِ آرزو و فزونِ سریِ خواہش اگر از جنونِ جولانیِ ہوس و نیرہ نگاری طمع خام ست۔ چیزنم کہ دمبدم زخمِ درون در بالیدگی و پیکرِ جان در کاہیدگی و بیتابیِ دل در فزونی و توسنِ صبر در حرونی چرا ست۔ و اگر اینہمہ تو تقلیہ نیہا از خونگرمی مہر و وفا و بالادستی شوق کار فرما ست۔ از چیست کہ صاعقۂ محبت ہنوز بجز خرمن آسایش دست ہمتے نگماشتہ و صرصرِ تاثیرِ دوستی بردۂ بے نیازی از خاطرِ نازکش برنداشتہ۔ چہ اگر آنست دیر تر صورت نہ بندد و اگر نیست از دل بدل زود پیوندد۔ کما بیش شش سال ست کہ دل جویائے صال و جان آرزومند ملاقات و چشم طالب دیدار و گوش مشتاق پیام ست۔ ہر کہ یکچند از غصۂ انتظار دنداں بر جگر افشردہ و روزگارے بیادِ دوستدارے بسر آوردہ باشد مے داند کہ جاوداں بہ عذابِ دوزخ مبتلا بودن بہ کہ ساعتے در امیدواری گذرانیدن۔ آہ اد من کہ عمرے بدیں غم و غصہ و تپش و اضطراب گذرانیدہ و شبہا از قلق جدائی نخفتہ و مدہا از آویزشِ درونی بیار رسیدہ ام ؎

بے تو گزیستہ ام تلخیِ ایں رد رنج ‏ ‏ ‏ ‏ بگذار از مرگ کہ دابستہ ہنگامے ہست

ہر چند در نگارشِ احوالِ خود یا و پرسشِ اخبار ہمدگر تقصیرے دو رنگے کہ رفتہ نہ از آنسو بلکہ از ینسو ہم برروے کار آمدہ۔ و از ینجا ست کہ در شکوہ گذاری خامہ را دلیر نمیتوانم کرد۔ اما اگر راست پرسی و از حق نہ رنجی میتوانم گفت کہ در پرسش جوے اخبار و تفتیشِ احوال کوششے کہ بجا آوردہ

کہ بلد راہ سخن و مرد این فن خود نیم چگونہ این نقش درست توانستے نشست۔ الحق شکستہ (واتفق ۱۲)
را بستن و گسستہ را پیوستن و پارہ را دوختن کارے است بس دشوار و دشوارتر ازان آنست
طرف شدن با استادان فن و مردان کار۔ وانگاہ با کسیکہ در سخنوری و سخندانی و نکتہ سنجی و
نکتہ رانی یگانۂ روزگار بودہ باشد۔ حقا کہ پاس امتثال امر واجب الاذعان در نظر دارم ورنہ
در نگارش معنی شعر نظیری کہ مخدوم آں را نظری داشتہ اند ہرگز جرأتے بکار نمے رفت چہ
مرا کہ ازان چشمہ آب خوردہ ام و ازاں مائدہ زلہ ربودہ ام۔ اگر بفرض محال رائے در فہم معنی
شعر بر صواب بودہ باشد۔ در برابر گفتگوئے کہ باآں حضرت درمیان آید چارہ جز تسلیم و
جواب جز خموشی نیست۔ للہ الحمد کہ سر از فرمان نہ پیچیدہ ام۔ اگرچہ سر رشتۂ ادب
از دست رفتہ است۔ خطا نمودہ ام و چشم آفرین دارم۔ والسلام مع التحیۃ والتکریم+

قال نظیری

جذب عشقم فی المثل در حسن پیدا ساختن — خضر چاہ یوسفم از آب حیوان نیستم

بدانست خاکسار قائل از عشق و حسن دریں شعر عشق و حسن مطلق خواستہ است۔ چنانکہ ایں
ہر دو مفہوم از حدیث قدسی کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیّاً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ
مستفاد مے شود۔ کنز مخفی ہماں حسن مطلق است۔ و اقتضائے ذاتی کہ از لفظ اَحْبَبْتُ متبادر
می‌شود تعبیر از آں بعشق میتواں کرد۔ اگرچہ منشائے ظہور کنز مخفی ہماں اقتضائے ذاتی است
و بس۔ اما اطلاق منشائیت بر اعیان موجودات ہم کہ بمنزلۂ علت مادیہ اند۔ مر آں ظہور را
در امثال مقدمات خطابیہ و شعریہ میتواں کرد۔ قائل دعوئے میکند و در دعوائے خود
صادق است کہ منکہ از جملۂ اعیان موجوداتم در پیدا ساختن حسن مطلق حکم جذب عشق پیدا
کردہ ام۔ گویا خضرم کہ از چاہ یوسف نشان میدہم نہ آں خضر کہ از آب حیواں نشان میدہد

منفعل ساخت۔ دانستم کہ برانداختن مراسم صوری پیوند معنوی را زیان ندارد۔ اما این قدر
ہست کہ چوں راہِ نامہ و پیام بستہ شود و ایں حالت بمدتِ درازی کشد تلکے را از ہر دو
جانب بحکم بے اختیاری ہائے شوق سررشتۂ ضبط و تمکین از دست برود و سر حرف باز نتواں
کرد۔ و باخبار ہمدگر بر نتواں خورد۔ گمان نبرند کہ در پردۂ سپاس گذاری بر دوست منت ہمی نہم
ہمانا شکرے کہ بوئے شکایت ندہد و سخنے کہ بکنایہ ادا کردہ نشود۔ بیگانۂ مذاق آشنائی است
ورنہ حاشا ثم حاشا کہ اندیشۂ دیگر در سینۂ اخلاص آگیں گنجایش داشتہ باشد۔ چوں از سرگذشت
مخلص استفسار فرمودہ اند پارۂ ازاں گذارش کردہ میشود۔ مخفی مباد کہ ہرگاہ سنگ تفرقہ
بر سر جمعیت رسید و گلشن فراغ را موسم خزاں پیش آمد۔ شمادر گورگانوہ از یار و دیار دور
من ہم بہ پانی پت در شکنجۂ جدائی رنجور۔ دو سہ سال در بیت الحزن معتکف بودم و دل رمیدہ
را بوعدۂ امروز و فرداہے فریفتم۔ تا آنکہ لشکر وحشت ہجوم آورد و سررشتۂ ثبات از دست
رفت۔ رخت سفر بہ دہلی کشیدہ آمد۔ و ازآنجا بمیرٹھ و ازآنجا بہ مرادآباد۔ و باز از مرادآباد
بجانب سکندرہ اتفاق مراجعت افتاد۔ روزے چند ہم درآنجا بخدمت برادر بکرم اقامت
ورزیدم۔ چوں دو سہ ماہ بریں برآمد و خواہشے کہ دریں کشش و کوشش مطمح نظر بود روائی
نہ پذیرفت۔ ناچار بازمانۂ ناسازگار در ساختم۔ نواب محمد مصطفی خاں بہادر رئیس جہانگیرآباد
در بلند شہر اقامت داشتند۔ مرا بخدمت ایشاں بردند۔ بعد از آنکہ گفتگوہا و پرسش جوہا
بہ میان آمد بحکم مناسبتے کہ دیدند۔ مرا در گوشۂ خاطر جا دادند و بملازمت خود برگرفتند۔ کما
بیش چار سال است کہ در جہانگیرآباد زندگانی بسر مے برم۔ وجہ معاش اگرچہ ما قل و کفی است
اما لطف صحبت از حوصلۂ توقع فزوں تر است۔ دریں روزگار کہ آدمی عنقا و آدمیت حکم
کبریت احمر دارد۔ ملازمت ایں یگانۂ روشن طبع آگاہ دل را از فتوحات غیبی مے شمرم

و جہدے کہ بکار بردہ ام مرا از عہدۂ پیام گذاری و نامہ نگاری بدر آورد۔ اگر باور نکنند اینک عالمے بر صدق دعوے من گواہ است۔ ہر کجا کہ رفتہ۔ با کسے از روشناسان شما برخوردہ ام اول از شما پرسیدہ ام۔ باز سخن دیگر بر زبان راندہ ام۔ اما از شما آنمایہ التفات بلکہ صد یک از آں ہم چشم ندارم۔ و چگونہ چشم تواں داشت کہ باآنکہ زمانے دراز در پانی پت اقامت ورزیدہ و با بسیارے از آشنا و بیگانہ صحبتہا اتفاق افتادہ۔ اما یاد ندارم کہ در پانی پت کسے کہ یاد آوردن شما ازیں ناکس گمنام بمیان آوردہ باشد۔ حقا کہ استواری اساس مودت و اتحاد و صفائے مشرب عذب اخلاص نہ بحدیست کہ آں ہیچ صدمہ از جا تواند جنبید۔ و ایں ہیچ کدورت متغیر تواند گشت۔ ورنہ داد آنست کہ در میانۂ آشنائی و بیگانگی گردش چشمے بیش نیست ؎

نومیدی از وصال تو طاقت گداز بود   صد جا گرہ زدیم امید بریدہ را

الحاصل بندہ تا یک ماہ در دہلی مقیم است امید کہ زود نہ دیر جواب ایں اخلاص نامہ ارزانی فرمایند۔ بدیں نشان کہ لفافہ در دہلی متصل چتلی قبر بمکان نواب محمد مرتضی خاں مرحوم نزد مکتوب الیہ برسد۔ ان شاء اللہ تعالی بعد رسیدن جواب آں سرگذشت ایام جدائی بہ تفصیل نگارش خواہم کرد۔ اکنوں کہ ورق بپایاں رسید و مجال وقت تنگ و افسانہ بس دراز

نامہ بحرف اشتیاق تمام   ختم شد۔ والسلام والاکرام

ایضاً

رسید نامۂ منقار ہما بہ استخوان غالب   پس از عمرے بیاد آورد رسم راہ پیکاں را

الحمد للہ کہ نامۂ والا بعد مدت دراز رسید و رابطۂ دیرینہ را نوی بخشید و مرا از شکایتہائے بیجا

بنامِ جنابِ منشی امیر احمد صاحب مینائی

ساختنِ ممنونِ دیدار و بختِ سوختن،   از تصرفہاے حرمانِ خداداد منت

یارب ہر دردے را داروئے چارہ می‌تواں کرد و ہر گرہے را بناخنے باز می‌تواں نمود۔ اما سوزِ دروں کہ تمنا نام دارد و نامِ دگرش ناشکیبائی ست چہ بلا زحمتے است کہ بہ ہیچ افسوں چارہ پذیر نیست۔ تشنہ را بجرعہ آبے و گرسنہ را بپارۂ نانے تسلّی می‌تواں داد۔ و آرزومندِ دیدار بوصالِ جاودانی سیر نتواں کرد۔ ازینجا است کہ پروانہ در صفِ چراغاں از تپ و تاب باز نہ ایستد۔ و بلبل در عینِ بہاراں از نالہ و شیون دم فرو نگیرد۔ گوئی مغلوبِ سطوتِ شوق نوش از نیش و ہجر از وصل باز نشناسد۔
وَلِلّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ ؎

قَالُوا لِقَا الحِبِّ لِلْمَهْجُورِ تَسْلِيَةٌ   وَلَيْسَ هٰذَا سِوىٰ هَذْيٍ فِي مَهْجُورِ
فَالوَصْلُ عِلَّةُ أَهْلِ الاِعْتِلَالِ فَلَا   يُحَوِّلُ السُّمَّ تِرْيَاقًا لِمُكْتَئِبِ

بسے بر نیامد کہ نامۂ نامی بخدّام نزولِ اجلال فرمودہ از جمالِ دل آراے لیلیٔ نثرش جلوۂ ہوش رباے شاہدِ نظم در غرفۂ حدیقۂ معنی بروے دل باز کشود و از حضورِ روحانی کہ بحکمِ سابقۂ ازلی وا یما میسر بودہ است و خواہد بود بہ شہودِ جسمانی رسانید۔ و حجابِ دوری کہ پردۂ بصر بود نہ غشاوۂ بصیرت از میان بر داشت۔ جاے آں بود کہ ازیں شادی بر خود بالیدمے و در پیرہن نگنجیدمے۔ اما تلاطمِ شوق کار فرما نگذاشت کہ لختے بخود آییم و از صبر راحت بہرہ ربائیم۔ بالجملہ جگر تشنگیِ طلب بجاے رسید کہ بزلالِ وصال ہم فرو نشستنی نیست تا بنامہ و پیام چہ رسد۔ حیرانم کہ دریں کشش و کوشش چہ می‌جوئیم و چہ می‌خواہیم

ذہنِ ثاقب و فہمِ رسا و طبعِ جواد و خُلقِ کریم و فکرِ صائب و نظرِ عمیق بدیں پایہ کمتر دیدہ شد
الحق فرشتہ را طبعِ کرشمہ سنج و خاطرِ سحر آفریں بخشیدہ بصورتِ انسان آفریدہ اند و انگاہ
خون گرمی خلف الصدقِ ایشاں نواب محمد علیخاں کہ بحلیۂ تہذیب آراستہ و بزیورِ اہلیت
پیراستہ مردے است مرا از من ربودہ است سخن کوتاہ حالتے دارم کہ اگر چرخ بر من رشک
برد و مے رسدش و ہو

روزگارم گر چنیں با او نظیری بگذرد رشک آید عالمے را بر من احوالِ من

شنیدہ ام کہ دریں عرض مدت ورزشِ سخن را بنہایت کمال رسانیدہ اند۔ از میرزا
صاحب اکثر ستائشہا در بارہ آں مکرم شنیدہ ام۔ حیف صد ہزار حیف کہ من بگفتارِ شما
کارِ کام و زبان نسازم۔ و بیگانگاں ازآں کامیاب شوند۔ امروز بہ پانی پت میروم
رمضان ہم درآنجا بسر مے برم۔ پاسخِ اخلاص نامہ بہ پانی پت فرستند۔ و زود فرستند و یک
دو غزل از نتائجِ فکرِ بلند درآں صحیفہ رقم فرمایند۔ و اگر فرصت دست دہد۔ و زمینِ غزل
نظیری کہ بالا گذشت سگالش فرمودہ سامعۂ یاراں بنوازند۔ بارہا تذکرۂ صاحب با
نواب صاحب درمیان آمدہ است۔ اما از گفتارِ شما ہیچ نشنیدہ اند۔ ولاکن شوق بسیار
دارند۔ دیگر آنکہ طولِ ایامِ جدائی بنہایت رسید۔ و چرخِ مشعبدہ ہمچناں در صددِ تفرقہ
اندازیست۔ و فرصتِ جمعیت چوں وقتِ رفتہ باز آمدنی نمے نماید و غالب کہ بقیتِ
زندگی در آرزو منیہا بگذرد۔ اکنوں کہ ماہ رمضان است۔ تقریبِ عزمِ وطن بہتر ازیں
بدست نخواہد آمد۔ اگر آں مکرم نیز دریں ایام بہ پانی پت بیایند و ماہ مبارک ہمدر آنجا
بسر برند چہ خوش باشد۔ واللہ معکم اینما کنتم۔

نظم عربی

نظم عربی جو مخدومی منشی محمد کرم اللہ خاں دام تعاونہم کی شادی کتخدائی کے موقع پر بطور مبارکباد کے بیماری کی حالت میں لاہور سے دہلی بھیجی گئی تھی

۱ بنفسی ما بہ جاء البشیر	وما افدی بہ شیء یسیر
۲ فبشرنی وقد القیت سمعی	بسؤدٍ لا یکافئہ سرور
۳ فقمت اذا وکیف یقوم مثلی	نحیفا لیس یبعثہ النشور
۴ شکیا لا یصاحبہ انیس	غریبا لا یزار ولا یزور
۵ نسیت ولو اکد انسی ھمومی	فما ھذا النشاط وذا السرور
۶ اری الارجاء قد ملئت بھاءً	وفی القمرین فوق النور نور
۷ فیا للربع من ربع بھیج	بہ صحب واخوان حضور

۱ میری جان فدا ہو اُس خبر پر جو قاصد لایا ہے۔ مگر جو چیزیں فدا کرتا ہوں وہ حقیر چیز ہے ۱۲

۲ اُس نے مجھے ایسی خوشی کی خبر دی جس کی کوئی خوشی برابری نہیں کر سکتی ۱۲

۳ میں خوشی کے مارے کھڑا ہو گیا مگر مجھ جیسا ناتوان کیونکر کھڑا ہو سکتا ہے جسکو یوم نشور بھی نہیں اُٹھا سکتا

۴ ایسا بیمار جسکا کوئی مونس نہیں اور ایسا مسافر کہ نہ اُس سے کوئی ملے اور نہ وہ کسی سے ملے ۱۲

۵ میں بھول گیا اپنے رنج جنکو بھول نہ سکتا تھا یہ کیسا نشاط ہے اور کیسی خوشی ہے ۱۲

۶ میں چاروں طرف روشنی ہی روشنی دیکھتا ہوں۔ اور چاند سورج میں معمولی نور سے زیادہ نور پاتا ہوں ۱۲

۷ وہ پُر رونق مجلس کیسی مجلس ہو گی جس میں یار اور بھائی جمع ہوں گے ۱۲

میگریم و از گریہ چو طفلم خبرے نیست — در دل ہوَسے ہست ندانم کہ کدام ست

ہیہات مضمونِ شکر ہمہ در لباس نظم ادا کردہ شد و باندازۂ شورش نہان ہنوز یکے از صد نگفتہ ام۔ بہ کہ بعجز بیان معترف شوم و سخن بریں یک بیت عرفی تمام کنم ؎

غمزہ چوں تیغ زند لب نہ کشائی عرفی — کہ بہ تحسین تو کیفیت زنہارے ہست

والتسلیم

ذیل کی ابیات دہلی کے احباب کو لاہور سے اُس وقت لکھکر بھیجی گئی تھیں جبکہ راقم دلّی سے بدلکر لاہور کے سررشتۂ ترجمہ میں چلا گیا تھا اور دوستوں کی جدائی میں مغموم تھا

۱ هَل مَن يُبَلِّغُ عَن مَحصُورِ لَاهُورِ　　عَن مُبتَلًى فِيهِ بَعدَ الكَورِ بِالحَورِ

۲ إِلَى دِيَارٍ بِهَا سَلمَى وَأَهلُوهَا　　أَن لَم يَكُن فِي زَمَانِ البَينِ مِن خَيرِ

۳ هَل فِيكُمُ مَن يُوَاسِي حَائِرًا أَسِفًا　　بِمَا مَضَى مِن دَوَامِ القُربِ وَالزَّوَرِ

۴ وَلَم يَزَل حَدَثَانُ الدَّهرِ يُزعِجُنِي　　يَومًا بِنَجدٍ وَيَومًا كُنتُ فِي غَوَرِ

۵ لٰكِنَّنِي رَاسِخٌ فِي حُبِّكُم قَدَمِي　　فَلَن أُحَوَّلَ عَن طَورٍ إِلَى طَورِ

۶ إِنِّي أُحِبُّ وَأَهوَى أَن أُلَاقِيَكُم　　وَإِن لَم يَكُن نَحوَكُم مَسعَايَ أَو سَيرِي

۷ إِنِّي أَرَانِي وَقَد أُنضِيتُ مِن نَصَبٍ　　بِحَيثُ لَم أَبقَ أَن أَمتَازَ عَن غَيرِي

۸ وَإِذ رَأَيتُ قَضَاءَ اللهِ مُحتَكِمًا　　رَأَيتُ نَفعِي طَوَى فِيمَا يُرَى ضَيرِي

---

۱ کون ہے جو پیغام پہنچائے لاہور میں گھرے ہوئے کی طرف سے جو کہ وہاں آکر آسائش کے بعد تکلیف میں مبتلا ہوگیا ہے ۱۲

۲ اُس دیار میں جہاں سلمیٰ اور اُسکے اہالی موالی رہتے ہیں یہ پیغام کہ جدائی کے زمانہ میں بھلائی بالکل نہ تھی ۱۲

۳ کوئی تم میں ایسا ہے کہ جو غمخواری کرے ایک حیرت زدہ کی جو گزشتہ صحبتوں اور ملاقاتوں پر افسوس کر رہا ہے ۱۲

۴ ہمیشہ زمانہ کے انقلاب مجھے بے آرام کرتے رہے ہیں۔ کبھی بلند جگہ اور کبھی پستی میں میری گزرتی رہی ہے ۱۲

۵ لیکن تمہاری محبت میں میرا قدم جما ہوا ہے۔ سو میں ایک حالت سے دوسری حالت بدلنے والا نہیں ہوں ۱۲

۶ میری خواہش اور میری آرزو یہ ہے کہ تم سے ملوں اگرچہ تمہاری طرف دوڑنا اور چلنا میرے اختیار میں نہیں ہے ۱۲

۷ میں جبکہ غم سے تحلیل ہوگیا ہوں اپنے تئیں ایسا پاتا ہوں کہ اپنے میں اور دوسرے میں تمیز نہیں کرسکتا ۱۲

۸ مگر جب میں نے حکم الٰہی کو سراسر حکمت سمجھا تو مجھے یقین ہوگیا کہ میرے ضرر ہی میں میرا نفع مضمر ہے ۱۲

كأنّ الناس حول العرس كانوا — نجوماً بينها قمرٌ منيرُ

وأرجو حضرة الأصحاب فيه — بشوقٍ لا الى هوسٍ يصيرُ

فان يكُ فاتني ما كنت أرجو — اذاً قد فاتني خيرٌ كثيرُ

أُحِبُّ ولستُ أكذبُ عُرسَ قومٍ — لهم ولعرسهم شأنٌ كبيرُ

ابوه وجدّه وهلمّ جرّاً — سريٌّ او غنيٌّ او اميرُ

له في ذاته كرمٌ عميمٌ — كما في اسمه كرمٌ شهيرُ

فقرّت أعينُ الزوجين قرّاً — الى ما كان للدنيا قرورُ

وكان مُباركاً لهما ازدواجٌ — بودٍّ لا يُسِئ اخلهٗ نفورُ

فباطنه كظاهره صلاحٌ — وآخره كأوّله حبورُ

۱؎ گویا کہ لوگ دولہا کے گرد ستارے ہیں اور اُن کے بیچ میں چاند روشن ہے ۱۲

۲؎ میں وہاں یاروں میں شامل ہونے کی آرزو رکھتا ہوں۔ دلی شوق سے نہ جھوٹ موٹ ۱۲

۳؎ پھر اگر میری یہ آرزو پوری نہ ہوئی تو بڑی دولت میرے ہاتھ سے جاتی رہی ۱۲

۴؎ میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے اُن لوگوں کے دولہا سے محبت ہے جن کی اور جن کے دولہا کی بہت بڑی شان ہے ۱۲

۵؎ دولہا کے باپ اور دادا اوپر تک یا سردار تھے یا دولتمند یا حاکم ۱۲

۶؎ دولہا کی ذات میں بھی کرم عمیم ہے۔ جیسے کہ اُس کے نام میں مشہور کرم ہے ۱۲

۷؎ خدا کرے جب تک کہ دنیا قائم ہے۔ میاں اور بی بی دونوں کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں ۱۲

۸؎ اور دونوں کو یہ عقد خالص محبت کے ساتھ مبارک ہو ۱۲

۹؎ اس عقد کا باطن مثل ظاہر کے بھلائی ہو اور اس کا آخر اول کی طرح خوشی ہو ۱۲

ولم ینسك الغیّاب عنك مغیبهم (۱) … فعندك حق الغائبین کشاهد

أتیت ببدع لم یجد قبل واحد (۲) … الیه سبیلاً من ذکیٍّ وخامل

کشفت غطاء عن خبیات هومرٍ (۳) … کما یکشف الصبح الدجی عن مراقد

وهل بعد هذا الفضل للمرء حاجة (۴) … الی غیره من بیّنات الشواهد

مدحتك حقاً غیر مطرٍ مبالغ (۵) … وشانك عندی فوق تلك المحامد

مبارکباد شادی کتخدائی جناب مرزا ثریا جاہ صاحب گورگانی خلف اوسط جناب مرزا ہدایت افزا المعروف بہ مرزا الٰہی بخش مرحوم جو میرے عزیز دوست مولوی مرزا اشرف بیگ مرحوم کی فرمایش سے لکھی گئی تھی

أبیتَ اللعنَ (۶) نخبةَ آلِ قومٍ … الیهم ینتهی کلُّ المعالی

---

۱ تجھکو غائبین کا نظر سے اوجھل ہونا بھولا نہیں سکتا تیرے نزدیک غائب اور حاضر میں کچھ فرق نہیں ۱۲

۲ تو نے ایک ایسا نادر کام کیا ہو کہ تجھ سے پہلے کسی ذکی یا غبی کو اُس کا رستہ نہیں ملا ۱۲

۳ تو نے ہومر کی نظم کی مشکلات کا پردہ اس طرح اٹھا دیا ہو جیسے صبح خوابگاہوں سے اندھیرا زائل کر دیتی ہو ۱۲

۴ کیا اس فضیلت کے بعد آدمی کو کسی اور روشن تر شہادت کی حاجت باقی رہتی ہو؟ ۱۲

۵ میں نے تمہاری تعریف سچ سچ بغیر مبالغہ کے کی ہو۔ مگر میرے نزدیک تمہاری شان اس تعریف سے بالاتر ہو ۱۲

۶ تو لعنت سے محفوظ رہیو۔ اے اُن لوگوں کی اولاد کے انتخاب جن کی طرف تمام بڑائیاں منتہی ہوتی ہیں ۱۲

---

۱ لارڈ ڈربی صاحب نے یونان کے مشہور شاعر ہومر کی کتاب نظم یعنی الیڈ کا ترجمہ یونانی سے انگریزی نظم میں کر کے انگلستان میں بڑی شہرت حاصل کی ہو۔ یہ اُسی ترجمہ کی طرف اشارہ ہو ۱۲ حالی ۲ عرب زمانۂ جاہلیت میں سلاطین و ملوک سے خطاب کرتے وقت یہ جملہ بطور تحیت و دعا کے بولا کرتے تھے اس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ تو نفرین و بددعا سے ہمیشہ بچا رہیو ۱۲

ارجو من الله بعد العسر میسرة [1] اِمّا علی مهلة مّا او علی فور

ذیل کی نظم کارڈی[1] صاحب کی شان میں اُس وقت لکھی گئی تھی جبکہ وہ لاہور میں قائم مقام ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم تھے اور راقم سررشتہ ترجمہ میں کام کرتا تھا اور صاحب ممدوح سے ایک معاملہ میں سفارش کا خواستگار تھا۔

[2] لنا آسیائیین عند خصاصة تکون بنا ان نلتجی بالقصائد
[3] فنثنی علی من کان یکفی امورنا ولاسیّما من کان اشعر ناقد
[4] وانت الذی یحوی الفضائل جمّة کما تحوی الدأماء جمّ الفوائد
[5] فتشناک تفتیش اللحاة عن العدی فلم نر شیئا فیک غیر المحامد
[6] لقد قلما ولّیت امر جماعة فمیزت منهم واحدا بعد واحد
[7] ومن ذا الذی یعروک ذرب لسانه فانک لا تشری لضاک بکاسد

۱ه اب میں خدا سے سختی کے بعد آسانی کی امید رکھتا ہوں خواہ کسیقدر دیر کے بعد اور خواہ جلدی ۱۲

۲ه ہم ایشیا والے جب ہمیں کوئی حاجت پیش آتی ہے تو مدحیہ قصائد کی پناہ لیا کرتے ہیں ۱۲

۳ه پس اس شخص کی تعریف کرتے ہیں جو ہماری کاربرآری کرے خصوصاً ایسا شخص جو شاعر اور نقاد سخن بھی ہو ۱۲

۴ه اور تو وہ شخص ہے کہ تجھ میں بہت سے فضائل جمع ہیں جیسے کہ دریا میں بہت سے فوائد جمع ہوتے ہیں ۱۲

۵ه ہم نے تیری اس طرح چھان بین کی جیسے نکتہ چیں اعدا کی کرتے ہیں مگر نہ دیکھی ہم نے تجھمیں کوئی شئے خوبیوں کے سوا ۱۲

۶ه تھوڑے ہی دن ہوئے کہ تو ایک محکمہ کا افسر بنایا گیا ہے سو تو نے اُسمیں ایک ایک کو اچھی طرح پرکھ لیا ۱۲

۷ه وہ کون شخص ہے جسکی چرب زبانی تجھکو دھوکا دے سکے کیونکہ تیری پسند نکتے کو نہیں قبول کر سکتی ۱۲

۱ بله یہ وہی کارڈی صاحب ہیں جو آخر کو ریذیڈنٹ مقرر ہو کر حیدرآباد گئے اور کئی سال واں رزیڈنٹ رہے ۱۲

قصیدۂ بائیہ

در شان حضرت شاہ عبد الغنی قدس سرہٗ کہ ہنگام اقامت آنجناب در مدینہ منورہ از ہند بخدمت بابرکت ایشان فرستادہ شدہ بود و از آنجا اطلاع رسیدن آں ابیات حضرت ایشاں بدستخط خاص در عبارت مندرجہ ذیل دادہ بودند

بسم الله الرحمن الرحيم ـ من عبد الغني ابن ابي سعيد الى الفاضل النبيل والاديب الجليل المولوي الطاف حسين ـ السلام عليكم ورحمة الله وبركاته ـ وصل مكتوبكم الشريف مع القصيدة الى العبد الضعيف مع فصاحته وبلاغته لا يخلو عن الشين من جهة المدح ـ ع لا عيب فيهم غير ان سيوفهم ـ فيها فلول من قراع الكتائب ـ واستحسنها بعض ادباء المدينة المنورة لما فيه من البراعة والفصاحة الله ينجّا ومن ذلك وينفعكم باعلى منايا ومآرب بجاه صاحب الشفاعة الكبرى سيدنا محمد وآله واصحابه فلك السعادة ونجوم الهداية بلاريب وخلل ـ والسلام

هَوَى الحُوْرِ يَلْوِي كُلَّ حِبْرٍ وَنَادِبٍ　　وفتنةُ قِسِّيْسٍ وَزَلَّةُ رَاهِبٍ

وهزمٌ لمنصورٍ وفتحٌ لخاذلٍ　　وعزٌّ لمغلوبٍ وذلٌّ لغالبٍ

وما من نساء الحيِّ للعزِّ مَخْلَصٌ　　بِلَيْلٍ قد استأسرن اهلَ التجاربِ

وليس بداءٍ كاد يُشفى سقيمه　　صَبَابَةُ قلبي بالعذارى الكواعبِ

قد اختطفت لُبِّي وَرُوعِي مليحةٌ　　بلطفٍ مُدارٍ لا بعبسٍ مُعاتبٍ

معطلة الآراء من غير رُقْيَةٍ　　مُقَتِّلَةُ الاحشاء لا بالمضاربِ

وصاحبة العشاق لا في مكارهٍ　　وكاذبة الميثاق لا بالمُراقبِ

لفي نظرةٍ منها وغمزٍ ولمحةٍ　　بلاءٌ لذي وَرَعٍ الى الله تائبِ

وكم من حياءٍ دونها وتَصَعُّبٍ　　وحصنٍ من التقوى وخوف العواقبِ

عَجِبْنَا لها قد خرّ موسى صَعِقًا　　ولكن راينا عند كشف الجلابِبِ

١ه لهم بین الوری ذکر رفیع ۔۔۔ و شان فی ملوک الدهر عالِ

٢ه و انك انت یا من طاب نفسًا ۔۔۔ لهم خیر الجدود خیر آلِ

٣ه خطبت کریمةً من طیبات ۔۔۔ اولات الفضل خیرة الفعالِ

٤ه فیا للمنتدی خیر النوادی ۔۔۔ به حُقّت صولات الموالی

٥ه و یا للعرس من فحل کریم ۔۔۔ اثیل المجد محمود الخصالِ

٦ه یجود بما یضنّ ولا یباهی ۔۔۔ و یفعل ما یشاء ولا یبالی

٧ه یجیب السائلین بغیر مکث ۔۔۔ و یعطی العائلین بلا سؤالِ

٨ه وان یك اصغر الاقران سنًّا ۔۔۔ فاکبرهم بلوغًا فی الکمالِ

٩ه فبورك فیه ما دام الثریا ۔۔۔ و ما انسلخ النهار من اللیالی

١ه جن کا نام دنیا میں بلند ہے اور جن کی شان شاہانِ عالم میں عالی ہے ۱۲

٢ه اور تو اے پاک نفس! اُن اچھے آبا و اجداد کی اچھی اولاد ہے ۱۲

٣ه تو نے ستھرائی اور بڑائی والیوں اور پسندیدہ خصال مستورات میں سے ایک عالی خاندان لڑکی سے شادی کی ہے ۱۲

٤ه پس وہ کیسی شاندار محفل ہے گی۔ جہاں دوستوں میں محبت متحقق ہوتی ہے ۱۲

٥ه اور کیسا شاندار دولہا ہے جو المرد سخی۔ خاندانی بزرگی والا اور پسندیدہ خصلت والا ۱۲

٦ه دے دیتا ہے جو چیز نہیں دیجاتی اور فخر نہیں کرتا اور کر بیٹھتا ہے جو چاہتا ہے اور کچھ پروا نہیں کرتا ۱۲

٧ه مانگنے والوں کی بلا توقف سنتا ہے اور محتاجوں کو بغیر مانگے دیتا ہے ۱۲

٨ه اگرچہ عمر میں ہمچشموں سے چھوٹا ہے۔ مگر کاملیت کی حد کو پہنچنے میں سب سے بڑا ہے ۱۲

٩ه پس برکت دیا جائیو جب تک کہ آسمان پر ثریا ہے اور جبتک کہ راتوں سے دن برآمد ہوتے رہیں ۱۲

مدارکمالٍ سقندی کل کاملٍ — محطِّ رحالٍ منتہی کل طالب
اذا ما قضی عدلٍ صدق اذا روی — مصیب اذا افتی اذا قال صائب
وحید لودی عبد الغنی الذی لہ — اوائل مراٰۃٌ لکشف العواقب
یقوم غبیٌّ جالس الشیخ ساعةً — بقلبٍ ذکیٍّ مطمئنٍّ مراقب
وترجع رجعاً قہقری دون بابہ — ضلالة ضلیلٍ وخیبةُ خائب
لیعلم علم الناس بالشمس فی الضحی — باسرار موجودٍ واحوال غائب
بدایتہٗ اقصی نہایات منتہٍ — نہایتہٗ قصوی عنایاتِ واہب
مہابتہٗ فی نفس الفٍ ووامقٍ — ارادتہ فی قلب عادٍ وجانب
ہو السابق الغایات من صاعدی العلی — الی رجلہم لاینتہی سیر راکب
کراماتہم مشہورةٌ فی مشارقٍ — مقاماتہم مذکورةٌ فی مغارب
لاوضح برہانٍ علی اختصاصہم — بموہبة الرحمن خیر المواہب
صیانتہم من کل طاغٍ وعاندٍ — اذا غلبوا فی الہند کل اغالب
وممن یصدُّون السبیل امامہم — وکم خلفہم اذ ہاجروا من معاقب
فلما احیطوا انما کان حولہم — نصال العوالی اوذباب القواضب
ولما اتی نصر من اللہ بغتةً — لقد سابقوہم معجزی کل ذاہب
تاثرہ شرعٌ عنہ بیناً وقاطناً — فیا عجباً من رائعات الجلائب
ولم یروحتی اجتاز ابارقومہ — فقد ورد الینبوع^له اصل المشارب

له اشارة الی ما نقل عن بعض الثقات ان الشیخ الممدوح رای لیلةً سید الطائفة خواجہ بہاء الدین النقشبند فی المنام فبایعہ بلا واسطةٍ بعد ما بایع شیوخ عصرہ مع اقرانہ واللہ اعلم ۱۲ حالی

ذهبنا لنلهيها بنا عن مشاغلٍ فجاءت والمتنع عن الاشتغال بی
اشدّ بلاءً وصلها من فراقها اذا كان عند الوصل خوف المراقب
اُراقب وقت الوصل من غير موعدٍ اصدّق فی افد امها قول كاذب
اليلای ما اغنالك عن شان مولعٍ له انت فی دنياه قصوی المآرب
تناسيت فی ذكراك علمًا وحكمةً لاَنَضيتُ اَيامًا اليها ركائبی
ذهبت بصبری يوم اقدمت فی الحمی نزلت وما انزلت حِمْلَ المراكب
شَغَلْتِ بلحظٍ قلبنا عن مشاغلٍ صرفت برمزٍ قصدنا عن رغائب
يُغَشِّی علی ابصارنا منكِ جلوةٌ كانك فی الاستار من غير حاجب
عتابك حلوٌ فی المذاق فعاتبی وضربك حتی للرقاب فضاربی
ودونك قلب العاذلين بنظرةٍ لكِ الدّين عند العاشقين فطالبی
اَحِبَّةُ لا تُشْكُوا[سے] احزينًا فَرُبَّمَا تُهَيِّجُ للاصحاب رَنَّةُ صاحب
ذرونی وقلبی بالرزايا فانه مصائب اُخرٰی ذكر تلك المصائب
لقد قل عونی فی اُخٍ كثيرةٍ كانی غريبٌ بين خَلٍّ وقارب
ولی من موالٍ انما انا بينهم بمنزلة الكرار بين النواصب
وفيما الی سلمٰی وصولی فاننی ضَلِلْتَ سبيلی فی ضياء الكواكب
لاَصبح يوم البين كالليل مُظْلِمًا كانّ صباحی قطعةٌ من غياهب
كما اظلم الدهلی بتغريب كوكبٍ مُضِيٍّ علی عُربٍ عن الهند عازب
عروفٍ عزيز العلم هادٍ ومرشدٍ جليل المساعی مستفيض المناقب
صبورٍ علی البلوی شكورٍ علی النُّهٰی نفورٍ من الدنيا الی الحقّ راغب

سے لا تشکوا من الاشکاء بشکوہ آوردن ۱۲

نثر عربی

ضراعت نامہ موسومہ اعلیٰ حضرت الإنا و مقتدانا شاہ عبد الغنی قدس سرہ کہ با قصیدۂ بائیہ در مدینۂ منورہ ارسال داشتہ بود

هذه نبذة كلمات عديدة وعدة ابيات غير سديدة يتوسل بها العبد
الذليل الصفر اليدين الملتزم بالشرور الشين المتشبث بالطاف تحسين كان الله له
ولوالديه في النشأتين الى المولى الجليل والشيخ النبيل مالك ازمّة الاستكمال و
التكميل الهادي الى سواء السبيل قدوة السالكين زبدة العارفين رأس الفقهاء
والمحدثين قطب الملة والارشاد قبلة الابدال والاوتاد صدر الشريعة الغراء
عماد الملة البيضاء ومظهر الانابة والاجتباء اوجه العلماء الاعلام مجاور
حرم خير الانام وارث علم النبيّ مولانا ومرشدنا شاه عبد الغني المجددي
النقشبندي الهندي المدني لا زال ظل فيضه ممدودًا وقرع بابه مقصودًا
سمعت يا مولانا ان اعرابيًا جاء الى هارون الرشيد بماء كدر ملح اجاج كان يظن الماء
احلى من شريب النبات واصفى من ماء الفرات تقرب به الى الخليفة وجعل هدية
له فدخل المجلس وعرضه عليه فاذا هو ماء منتن الريح مرّ الطعم كدر اللون فتفرس
هارون واطلع على داخلة امره وعلم ان الماء وان يك ملحًا في نفسه ولكنه حلو
في مذاق الاعرابي فمنع القوم عن هتك سره وافشاء امره لكي لا ياخذه الندم
فيرجع خائبًا اسفًا وامر بعطية جليلة له واخرجه على الحال من بغداد مخافة ان

مرحبا بما اختص الوری من مراتب — وفی الشیخ شانٌ فوق تلک المراتب
سینقد دون الابتداء بوصفه — اقاویل وصّافٍ واوصاف کاتب

مبارکباد خطاب شمس العلماء بجناب مولانا شبلی نعمانی کہ در علیگڈھ نوشتہ شد

یا وحیداً من الکرام فریداً — وعزیزاً لمثلی علق نفیس
انت اولی بان تلقب شمساً — بل بان یجعلوک شمس الشموس
انت شمس الهدی ولست بشمس — یعتریها الخنوس بعد الخنوس
انت طهرت ذیل دینٍ مبینٍ — لوثته اللئام بالتدلیس
ثم دافعت عن امامٍ نقیٍ — کان بعد النبی خیر رئیس
وعن الحق قد کشفت غطاءً — بعدما اغلقوه بالتلبیس
سرت فی الارض انت براً وبحراً — للمعالی ولا لامرٍ خسیس
قلّ ولّد التزام درس قویم — فیه یرجی لهم کمال النفوس
فتقلدت والتزمت لزوماً — خدمة المسلمین بالتدریس
قمت بالدرس والدراسة فیهم — فارغاً عن ریاسةٍ ورئیس
وجعلت الکمال غایة همٍّ — واتخذت الکتاب خیر جلیس
فعلی القوم لازماً لک حقٌّ — کلهم من وجوههم ورؤس
صانک الله عن مکارہ حتی — صرت کالقلب منا فی الخمیس

قد بلغني منكم ما كنت ارجو من بشارة القبول واجابة المامول فشكرا لكم بعد شكر على ما ادركتموني وتداركتم بالي من محاسبة الساعات ومراقبة الاوقات تالله لقد قرت من الآمال بما لا يرجى ونلت بموهبة منكم عظمى ومن مثلكم شيء يسير كم فيه من خير كثير فانكم اليوم منتهى قصدي وقصارى املي لكل قريب وبعيد وشقي وسعيد وانتم بارض ترابها شفاء الاسقام ومقام كريم لا يحله الا الكرام وانا العبد الذليل الملتزم بالشوم الشين المدعو بالطاف الحسين تجاوز الله عما جنت يدي وغفر الله لي ولوالدي وسلام على عباده الذين اصطفى من مجاوري حرم المصطفى صلى الله عليه وآله وسلم۔

مکتوب بنام مرزا اشرف بیگ حوم دہلوی از لاہور

سلام عليكم سلام غريب بعيد الدار مهجور الاوطان والاوكار طويل الليل عبوس النهار قد حل ارضا لا انيس بها ولا صاحب وضاقت عليه بما رحبت فاعيت به المذاهب لا يتمكن من عزمه فيبصر قصده ولا يقدر على نفسه فيرى رشده قد تركتموه غرضا لسهام الآلام ودرية لطعان الاحزان والاسقام وحيدا طريدا بائنا بعيدا حزينا كئيبا قلقا مكروبا ولكنه مع ما به من الهم والشجى والحزن والاسى وكآبة الفراق وحزازة المشتاق ولوعة قلبه ولعوة حبه وشتيت باله وجزعه وبلباله لا يكاد يشغله عنكم شاغل ولا يحول بينه وبينكم حائل۔ وقد القى ذكركم بين عينيه ليأنس به ويسكن اليه وكلما يبلغه كتاب او تهب ريح خطاب من عند احد من الاحباب يهيج له شوقا الى شوق ويجشمه من الهوى ما لا يسعه الطوق فالحمد لله حمد الصابرين الراضين بقضائه كلما قضى للراجين رحمته

يقيم بها ويشرب من ماء دِجلةَ فيجد حلاوةً في ذوقه ولطافةً في طعمه فيستحيي استحياء النادم ويوض بنان السادم فكذلك ارجو انا ايضا يا شيخ يا مولائي ان تنظر الى ما ارسلت اليكم من كلام هجين وقول غير متين نظرةً بالقبول فاذن يُعوّجُ ما فيه من الخطاء صوابًا ومن النقص تمامًا فانت من رجال اذا مرّوا باللغو مرّوا كرامًا وان تدعو لي بدعوةٍ تكشف عني الغمّة وتذكّني بصرف الهمّة وبذل الهمّة مستعينًا بجناب سيد المرسلين و متمسكًا بذيل رحمة العالمين فداه امّي وابي صلوة الله وسلامه واله واصحابه اجمعين فانّي قد ملكت نفسي الاهواء واحاط بشراشر قلبي بلاء الاخلاق من الشداد ولا سبيل الى الرشاد قد اخترت على الآجل عاجلًا والعجب ان العاجل ايضا كالآجل مفقود هنيت من الجليل بحقير والحقير ايضا ليس بموجود فيا اسفي قد وقعت سهامي كلها عن هدف المقصود وبقيت صفر الكف في الدنيا والآخرة ۞

كيف الوصول الى سعاد ودونها قلل الجبال ودونهن حتوف
والرجل حافيةٌ وما لي مركبٌ والكف صفرٌ والطريق مخوف

فها انت يا شيخ يا ايها العزيز مسّنا واهلنا الضر وجئنا ببضاعة مزجاة فاوف لنا الكيل وتصدق علينا ان الله يجزي المتصدقين وسلامٌ على عباده الذين اصطفى من مجاوري حرم المصطفى صلى الله عليه واله وسلم

دوسرا خط جناب ممدوح کے نام جس میں پہلے خط اور قصیدہ کی رسید کا شکریہ ادا کیا

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا ونبينا محمد واله وصحبه اجمعين
وبعد فيا ايها الشيخ يا مولاي سلامٌ عليكم ازكى سلام ثم سلام عليكم الف الف سلام

فوالذی نفسی بیدہٖ ما منعنی منہ الا انہ کان الزمان زمان الفتنۃ والبلاء والمرض والوباء قد انزوت العافیۃ فی الزوایا واحدقت بالبلد انواع البلایا وکان الناس بین صرعی وقتلی فمنہم من لسعتہ الحمّی ولدغہ الصُّداع ومنہم من قتلتہ الھیضۃ بذات الشفرتین من سیف الاسہال والقُواع وکان الجُدری العامّ مزیدًا علی ذٰلک ابتُلیت بہٖ صغارہم وکبارہم وذکورہم واناثہم فہلک من ہلک ونجا من نجا۔ واما الباقون وانا منہم وقلیل ما ہم فکانوا بین الخائفین والراجین الذین یاتیہم الموت من کل مکان وما ہم بمیتین ولم یزل کان الامر کذٰلک حتّی صار الموت والحیوۃ کفرسَی رِہان یسبق ہٰذہ تارۃً وتلک اُخریٰ +

کتابۃ اخری اُرسلت بعد معاودۃ من حیدرآباد الی الوطن الی جناب النواب عماد الملک الشہیر بمولوی سید حسین البلکرامی احد ارکان الدولۃ العالیۃ

اقمتُ مقتصمًا شہرًا وایّامًا　　بجبل دارکم فی حیدرآبادہ
فہذا دعاءٌ وتذکارٌ لنعمتکمُ　　وشکرٌ لاحسانکم یاسیّد السادہ
ولست بناسٍ طول عمری صنیعکمُ　　کذا جرت باذکار النعمہ العادہ

وبعد فقد وصلتُ یاسیّدی فی ۳ نومبر یوم الثلثاء بنعمۃ اللہ وحسن توفیقہ من بمبئی الی دلّی سالمًا وغانمًا وکنت فی بمبئی نزیلًا فی منزل صاحبکم الجلیل المبجّل الممتاز عن الاقران فی المعمورۃ بالسِّیَر العادلۃ والاخلاق المرضیّۃ السید غلام حسین

عند کل کرۃ و بوسی علی ما قد قیل ؎

ادی الصبر محمودًا وعنه مذاهبُ — فکیف اذا ما لم یکن عنه مذهبُ

هو المهربُ المنجی لمن احدقت به — نوائب دهر لیس منهن مهربُ

فالمرجو منکم یا معاشر الخلان و خلص الاخوان ان لا تنسوا ما انعم الله علیکم من قرۃ اعینکم و سکینۃ قلوبکم فی محادثۃ الاحباب سرًّا و جهارًا و مفاکهۃ الاتراب لیلًا و نهارًا وان تجعلوا اشکر تلک النعمۃ ذکرنا و مواساتنا و تذکرۃ ما فاتنا من اخضرار عیشنا و اطیب حیاتنا فلا یشغلکم شانٌ عن شاننا ولا یبعدن کم بعد مکاننا و من مثلکم نظرۃٌ الینا ولو کانت بعد زمانٍ یروی غلیل القلب اللهبان واما ما بلغنی الیوم بعد دهرٍ طویلٍ من کتابکم الجزیل و امرکم الجلیل فقد سرّنی اشد سرورٍ وصنع بی ما یصنع لقاء المهجور بالمهجور وستجدون جوابه ان شاء الله ردیف هذا الکتاب مندرجا فی کتابکم المطاب واما ما سألتم عن بعض احوال المدارس فقد سألتم عن ظلٍّ زائلٍ ورسم دارس والسلام علیکم و علی من یحبنا و نحبه ممن لدیکم و من حوالیکم

کتابۃ اخری

سلام علیکم اعلی سلامٍ من قبل الغریب المستهام وبعد فهذا جواب ما بلغنی من کتابکم المتین و خطابکم الرزین فی لسانٍ عربیٍّ مبین فوقع عندی موقعًا حسنًا و سررت به اشد سرور ولکنه قد وقع فی استجوابه نحوٌ من التمکث الغیر المعتاد[1]

[1] اس خط کا آخری حصہ تلف ہو گیا۔ اسلئے ناتمام حالت ہی میں چھپوا دیا گیا ہے ۱۲ حالی

لسان الاظهار فبعد ما اتشكر غاية التشكر على ما احسنتم الى مثل هذا المسكين
بارسال الجريدة اقول انى مع بالى من شدة الولع وغاية الحرص على مطالعة
النحلة لا استطيع ان اشترك فيها وان مثلى فى الباب كمثل ظمآن على راس بئر
ماله دلو ولا سببٌ يتوصل به الى الماء ولا قلبٌ يصبر على العطش ولكنى
اتعهد ان شاء الله بالسعى المقدور فى نشر نفحات النحلة و بركاتها بين ابناء الوطن
ومن الاخوان والخلان وغيرهم من رؤساء ادارات التعليم الذين يعرفوننى
ولو بادنى معرفة واما اغنياء هذه الصفحات من الملوك والامراء والاكابر
فليسوا فى شئ من ذوق العلم ومطالعة الجرنالات وتفحص الاخبار وذلك السعى
الذى تعهدتُ به لا يكون منى على شرط عوض من جنابكم بل يكون لمحض
اشاعة الخير والبركة بين الناس ولما يقتضيه الاخوة الانسانيّة من التعاون
والتعاضد هذا وان كنتم تمنّون بعد ذلك بارسال الجريدة فلا يسعنى الاتيان
بغير التشكر على هذا الامتنان باللسان والجنان الا انه فى عزم هذا النحيف على
تقدير وصول النحلة فيما بعد ان أبلّغ فى كل شهرين او اكثر مرة واحدة بعض الحوادث
المهمة الواقعة بهذه الاقطار الى حضرتكم بمثل هذه العربية المستهجنة التى لا تكاد
تقع عند اهل اللسان موقعاً حسناً او باحدى اللغتين من الفارسيّة والهنديّة
ان لم يكن على خلاف شرط النحلة ثم لى فى خصوص امر الجريدة كلام آخر لا بد ان
ابوح به فى حضرتكم وهو ان ترجمتها بالانكلزيّة ان كانت مطابقة بكل لفظ لفظ
من العربية بحيث لا يبقى لغة من اللغات المؤلدة والمعربة مجهولة غير مفسّرة
لكان اقرب الى فهم اهل الهند واوقع فى قلوبهم فان اللغات المتداولة بين ايديهم

المتبرة عن كل شيءٍ الذى فى زورته سكينة للقلب وقرة للعين ستين ساعةً فعاملنى هذا الفتى معاملةً لا تكاد تقع بين الاجانب بل عاشرنى معاشرة الاصحاب بالاصحاب ورافقنى مرافقة الخلان بالخلان وارانى من خصائص المعمورة وعجائبها ومراسيها ومراكبها فوق ما كنت ارجو ان اراها وله غير ذلك من الصنائع التى صنع بنا مالا يوصف باللسان ولا يفيه اللفظ والبيان فيا ليت شعرى هل اشكركم اياكم على ما هديتمونى منزل الرجل النبيل ودللتمونى على سواء السبيل الى خوان الخليل ام احمد الرجل على ما اكرمنى واحسن مثوى واعاننى على ما كنت بصدده من اطلاع احوال المعمورة وبالغ فى حسن الاضافة والقرى ولم يأذن لى بالرحلة من بمبئى الا كرهًا فوالله لئن كان الاسمعيليون كلهم متخلقين باخلاق اخيهم هذا جزمت بان الناجية من الفرق الاسلامية هى الفرقة الاسمعيلية لا غير ثم ان الرجل كان يقول مشتكيًا عن جنابكم الرفيع انكم لم تكتبوا كتابًا منذ زمانٍ طويلٍ ولم تطلعوه على احوالكم ولم تسألوا عنه وعن احواله وامرنى ان اخبركم بذلك واسالكم ان تداركوا ما فاتكم وما على الا البلاغ ؎

كتابة اخرى الى مدير الجريدة العربية المسماة بالنحلة الادبية فى لندن

قد ارسلة القس الجليل قد وصلنى من اول تموز الى اخر تشرين الثانى ثلثة اعداد من جريدتكم الفريدة المسماة بالنحلة الادبية التى تلوح اثار قبول العالمين من غرتها البيضاء فتمتعت بما فيها من سوانح الاخبار وبدائع الافكار وفوائد اخرى يعجز عن حصرها

لا زال مصونًا عن كل داهية وفاقرة وما فاته حسنة من حسنات الدنيا و الآخرة فكنت نزيلاً عنده الى ثلثة اشهر او اكثر فكان ما دمت فى بيته يعمل لى كل صنيعة ويصنع الى كل معروف ويؤثرنى ويؤاسينى ويكرمنى ويدارينى وله عندى غير ذلك من الصنائع ما لا يسعه البيان ومن الايادى ما لا يوصف باللسان وهذا الذى ذكرت من حسن الاضافة والقِرٰى فليس فى عِداد من فضائله التى لا تحصٰى منها ان له يدًا فى النظم طولى وقسطًا من النثر اوفى فى السنة مختلفة ولغات شتّٰى فتارةً يسجع سجع الخطباء من العرب العرباء واخرى ينشد نشيد الفرس من مفلقى الشعراء وسحرة البلغاء واما الاردو فمثله كمثل دابّة هو اخذ بناصيتها تنصرف حيث شاء ومما يشهد لى بصدق ما ادّعيت له هو هذه الصحيفة المنيفة التى فيها انموذج كلّ من تلك الالسن الثلثة فى بيان رشيق ولفظ انيق لهذا المصقع الطليق والمنطيق الذليق فيالها من وجيز جامع بين كلام العرب والعجم فيه النسيب وفيه الوعظ والحكم يرغب اليه لطلاوة لفظه ويتنافس فيه لحلاوة نظمه كانها روضة تعجب الانظار بنضرتها او جنّة تشخص اليها الابصار لبهجتها او دوحة مثمرة او سحابة ممطرة او حديقة دهماء او عشيقة حسناء او عين من ماء معين او منظر الحور عين وله سوى ذلك من المصنفات ما فيه قرة اعين لكل ناظر وغنية لكل باد وحاضر فلا زال مفيضًا على المستفيضين ومُجازًا للطالبين وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمين ؏

من الصراح والقاموس وغیرهما لیست بحافلة لجمیع ما فی العربیة الحالیة من الالفاظ القدیمة والحدیثة وطیّ هذه الصحیفة رقیمة اخریٰ بالانکلیزیة ارجو ان یکون النظر فیها منتجًا لبعض النتائج الحسنة والسلام خیر ختام ۔

صورة ما قرظت علی المنظومات الضیائیة التی اکثرها بالعربیة ومنها بالفارسیة والهندیة

الحمد لله الذی حبّب الیّ کلام الخطباء والشعراء[۱] فی قلبی حلاوة النظم وذوق الانشاء فلا ارغب الا فیه ومن یرغب عنه الا السفیه فسبحان من انعم علیّ بالنعم التی لا تحصیٰ ثم اختصنی منها بتلک الموهبة الکبریٰ ومن هٰهنا فلیعلم انی لا یسعنی السکوت عن مدح ما یقع عندی موقعًا حسنًا من نظم بهیّ او نثر شهیّ او بیان رائق او کلام فائق واما ان اتکلّف فی مدح او اعتسف فی قدح او ابالغ فی الازدراء او اجنح الی الاطراء فلا یتأتّی منی ابدًا ولا افعله سهوًا او عمدًا ولذلک ارجو من الله المستعان ان اکون فیما اصف مشهودًا لی بالصدق والصواب حتی لا یرونی الا الناطق بالحق من غیر شک ولا ارتیاب

وبعد فلما وصلت من دلّی الی لاهور مستعیذًا بالله من الحور بعد الکور وقد کنت اذ لا اعرف احدًا ولا یعرفنی احد من اهل ذلک البلد اوصلنی قائد التوفیق الی خیر منزل لخیر منزل من السادة الکرام والشیوخ العظام صدر المحاضر والنوادی سیدی ومستندی خواجه **ضیاء الدین** الجهان آبادی

---

[۱] یعنی سید خواجہ ضیاء الدین مرحوم دہلوی کی نظمیں تینوں زبانوں میں ۔ حالی

في طلب المال وانت تاركه بعد حين ولا تزال تعود عن الاعمال حتى ياتيك
اليقين فويلك قد طلبت متروكا وتركت مطلوبا واقتضيت حوبا وما
قضيت مكتوبا وشريت بالحقير جزيلا وبالرخيص جليلا وحملت خفيفا
ونبذت ثقيلا واخذت من الصفو كدرا واخترت على الخير شرا و
استبدلت الذي هو ادنى بالذي هو اعلى واشتغلت عن الاخرة بالاولى
الله الله الام تمهلك في الخيرات وتمايلك عن الحسنات واقبالك على
المهلكات ومسابقتك بالسيئات طلق الدنيا ثلاثا وفارق اهلها و
ات لك على غاربها حبلها وتب الى الله قبل ان تموت وادرك الفراغ قبل
ان يفوت واستعن بوجدك قبل عدمك واغتنم شبابك قبل هرمك
والزم بالعمل فكم من عمل يسير خير من علم غزير وواظب على الندامة
فندم منك ساعة خير من كثير طاعة تصدق من غير من واذى و
انفق مما تحب وترضى ان جئت بحسنة فاستقم ولا تغتر فبالاستقامة
عبرة لعمل العاملين وانما الاغترار من همزات الشياطين وان اقترفت
سيئة فاعترف ولا تياس فان الاعتراف يهدم ما يقترفون ولا ييأس
من روح الله الا القوم الكافرون ان بليت فاصطبر فان الصبر اسى يتلوه
الفرج ودجى تؤذن بالبلج وثقل يخفف الاثقال وداء يذهب لضلال
وان اعطيت فتشكر فان الشكر سبب لمزيد الانعام وبعث للمنعم على الاكرام
وجالب للارزاق وذاهب بالاملاق واضرب في الارض بطلب العلم
غير باغ وجاهل فجاهد وباعد ثم باعد واجهد جهدك في اخذه

خطبۂ یوم الجمعۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذي خلق الخلق فسوّاه واصطفى الإنسان على الأكوان فأكرمه
وأحسن مثواه ونصره وكفاه وأمره ونهاه فمنهم من أناب إليه و
اعتصم به ولم يعبد إلا إياه ومنهم من اقتفى أثر النفس وأخلد إليها و
اتخذ إلهه هواه والصلاة والسلام على النبي المنيب الأوّاه المتبتّل
إلى الله عمّا سواه الذي وجده يتيمًا فآواه وعائلًا فأغناه ومن كل
شيء أعطاه واجتباه وهداه وعلى من اتبع هديه وقفاه وأعلى كلمة
الحق وحماه واتقى الله حق تقاته وملك نفسه وهواه وبعد فيا أيها
الإنسان ما غرّك بربك الكريم وما حملك على التأثيم وما ولّاك عن النهج
القويم وما ألهاك عن النعيم المقيم حسبتك الدنيا فانية وأنت
ترجو أنها باقية ومتاعها شيء يسير ولست تعلم أنه فيه خير كثير
قد استهلكت في الشهوات ونسيت هادم اللذات وتناهيت في الملاهي
وما انتهيت عن المناهي كم أمرت بمعروف فعصيت وكم دعيت إلى الخير
فتولّيت جمعت من الدرهم والدينار آلافًا وأضعافًا ورأيت في نفقة
لوجه الله إسرافًا وإتلافًا منتهى تصدّك تجسّس عيوب الإخوان وجلّ
صناعتك حتكك أستار الجيران ساء ظنك بالجبار وحسن لديك مقام
الأشرار يتبع وعدك الإخلاف ويعقب صلحك الخلاف كال فيامك

دوسری حکایت

بینما انا جالس ذات یوم بجامع تعلیک اذ شرعت فی الوعظ والتذکیر وحولی جمع کثیر ممن لا یکادون یفقهون حدیثا ولا یهتدون سبیلا فکلما ازددت فی البیان تدقیقا وتحقیقا زادوا حیرة وضلوا طریقا فلما رایت لا یخلبهم سحر کلماتی ولا یؤثر فی قلوبهم نفثاتی اخذنی اخذة اسف لهفت کل اللهف علی اضاعة الکلم واشاعة الحکم فی قوم صم بکم ۵ +

بنام بعضے از اہل علم کہ در بیروت مقیم بودند و نام ایشان فراموش شدہ

الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی رسوله محمد واله واصحابه اجمعین. وبعد فانی قد سمعت ان المعلم الشهیر فاندیک الامریکانی النزیل ببیروت رتب سلسلة من الکتب فی العلوم الجدیدة وسماها النقش فی الحجر وانی ارید شراء جملة الکتب التی تضمنها هذه السلسلة من اولها الی اخرها وایضا قد سمعت من بعض ثقات الهند الذین قد لاقوکم فی البیروت ان تلک السلسلة یمکن وصولها الینا بتوسطجنابکم فاسألکم یا مولانا اننا بای طریق نطلبها وکیف نؤدی ثمنها وهل یمکن ارسالها الی الهند بالطریقة التی جرت فی سائر الممالک الانکلیزیة وهی ان اهالی البوسطة یبلغون الاشیاء الی المکتوب الیهم بعد اخذ الثمن ویرفعون الثمن الی المالک ویسمون هذه الطریقة بالانکلیزیة ویلیو پے ایبل وترجمته بالعربیة (ما یجب اداء ثمنه) فمتی ما یصل الینا الجواب من عند حضرتکم الجلیلة نطلب تلک السلسلة الجدیدة بالطریقة التی تصفونها لنا والسلام خیر ختام

مِنْ كُلِّ قَارِبٍ وَبَاعِدٍ وَتَمَتَّعْ بِمَا فِيهِ مِنَ الْأَبَاعِدِ فَإِنَّهُ أَوْجَبُ لِلْعَامِلِ وَأَصْلَحُ لِلْمَفَاسِدِ وَأَوْصَلُ إِلَى الْمَقَاصِدِ وَلِذَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ وَإِذَا سَمِعْتَ هٰذَا فَإِيَّاكَ وَالْإِضَاعَةَ وَعَلَيْكَ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فَإِنَّ الْفَتٰى مَنْ عَلِمَ فَعَمِلَ وَسَمِعَ فَقَبِلَ وَذُكِّرَ فَاعْتَبَرَ وَأُمِرَ فَائْتَمَرَ قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ وَسُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ؏

گلستانِ سعدیؒ کی حکایت کا ترجمہ

حُكِيَ أَنَّ بَعْضَ صُلَحَاءِ لُبْنَانَ مِمَّنْ اشتهرت مقاماتهم وانتشرت كراماتهم جاء إلى دمشق فنزل بماء الكلاسة يريد أن يتطهر إذ زلّ قدمه فوقع في الحوض ثم خرج بعد ما أدركه الغرق وقام إلى الصلوٰة وصلّى بهم فلما فرغوا قال له بعض أصحابه ما لك يا شيخ إني رأيتك يومًا في بحر المغرب كنت تمشي على الماء وما ابتلّ منك قدمٌ وأما اليوم فقد أشرفتَ على الهلاك في قليلٍ من الماء ولولا رمقٌ من الحيوٰة لغرقتَ فشتّان بين هذا وذاك فأطرق رأسهٗ وأكثر في التأمل ثم قال أما سمعتَ ما قال النبيُّ صلى الله عليه وسلم لي مع الله وقتٌ لا يسعني فيه ملكٌ مقرّبٌ ولا نبيٌّ مرسلٌ ولم يقل وقتٌ مستمرٌّ وكان عليه الصلوٰة والسلام تارةً يشتغل بالنساء والرجال وأخرى لا يلتفت إلى جبريل وميكائيل ومن ههنا قيل مشاهدة الأبرار بين التجلّي والاستتار۔ ؏

سلك فيها طريق استدلالهم ونسج على منوالهم وهو اول من ادّعى انّ دينًا من الاديان لم يفك رقاب الجوارى والغلمان عن ذل العبودية الا الاسلام واستدل على دعواه بآياتٍ بيّناتٍ من كلام العزيز الملك العلام واحاديث متصلة مرفوعة صحّت عن النبى خير الانام وهو اول من عزم على التوفيق بين ما جاء به القرآن وبين ما شهدت به الحكمة الجديدة وعلى رفع ما يتبادر الى الاذهان من الاختلاف بينهما كما فعل علمائنا المتكلمون فى صدر الاسلام لمّا شاعت الحكمة اليونانية بين المسلمين وخافوا عليهم ان يقعوا فى شبهات الملاحدة والزنادقة +

ولنذكر ههُنا شيئًا يسيرًا من مساعيه الجميلة التى كانت مستمرة مسلسلة فى نصرة الاسلام والمسلمين من ۱۸۵۸ء الى زمان رحلته التى وقعت فى اوائل ۱۸۹۸ء ميلادية +

منها انه لمّا اضطرمت نار البغى والعدوان فى اقطار الهند من قِبَل العساكر الهندية ۱۸۵۷ء ميلادية وكان مسلموا الهند اِذ ذاك مظنّة لخلاف الدولة الانكليزية لِما كانوا قبل استيلاء تلك الدولة فى نوع من العزّ والمكنة والسلطان فى ممالك الهند۔ بادر الشيخ الى تاليف كتاب فى بيان اسباب البغى التى كان مرجع اكثرها الى غفلة اركان الدولة وسوء تدبيرهم فى الامور السياسية وكان الزمان زمان الاخذ والبطش والانتقام بحيث يفرّ المرء من اخيه وَ اُمّه وابيه وصاحبته وبنيه ويؤسرون ويسجنون ويقتلون ويصلبون فلم يسكت هناك من كلمة الحق والقى بنفسه الى التهلكة ليزيل كل شبهة

جُمْلَةٌ صَالِحَةٌ

فی مآثر ناصح الملّة وموقظهم عن نوم الغفلة الذابّ عنهم فی کل فتنة و الناصر لهم عند کل ملمّة الذی جعل همّته مقصورة علی اصلاحهم ورأی لذة حیاته فی نجاحهم وفلاحهم یهیم لهم فی کل وادٍ کصبٍّ هائم ولا یخاف فیهم لومة لائم اعنی الدکتور سر سید احمد ابن السید متقی ابن السید هادی الحسینی نسبًا والمدنی ثم الهروی محتدًا والدهلوی مولدًا شعر

طلوعُ الثنایا بالمطایا وسابقٌ ۔۔۔ الیٰ غایةٍ مَن یَبْتَدِرْهَا یُقَلَّدِ

فاعلم ایها المخاطب الجلیل انّ هذا الشیخ الاجل الامجد الهمام والسید الصندید السَّمَیْدَع القمقام هو اوّل من تصدّی لاصلاح حال مسلمی الهند فی اواخر المائة الثالثة من الالف الثانی وافنی عمره کما انفق ماله فی نصحهم والرافة بهم والشفقة علیهم والمجاهدة فیهم واول من ذبّ عن الاسلام وسافر لاجل ذلک الی اوربا ونشر هنالک محاسن الاسلام بین المسیحیین وطهر ذیله عمّا افتروا علیه ونسبوا الیه من المثالب المساوی (تعالی عن ذلک علوًّا کبیرا) واثبت فضله علی ادیانٍ اُخری بدلائل بیّنةٍ وبراهین منقنةٍ

لہ تقریبًا ۲۵-۲۶ برس گزرے ہوں گے کہ لندن سے ایک ماہوار عربی رسالہ موسوم "بہ نخلہ آدبیہ" جاری ہوا تھا جس کے چند پرچے ایڈیٹر رسالۂ مذکور نے میرے نام بھی بھیجے تھے۔ اور مین نے بجائے قیمت ادا کرنیکے اُسکی قلمی اعانت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ ایک آرٹیکل مرحوم سر سید احمد خاں کے حالات اور اُنکی ملکی و قومی خدمات پر اپنی ٹوٹی پھوٹی عربی میں لکھکر لندن بھیجنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر اُسکے بھیجنے سے پہلے معلوم ہوا کہ وہ رسالہ کسی وجہ سے بند ہوگیا اور وہ آرٹیکل راقم کے پاس مسودات میں یوں ہی پڑا رہا۔ اب جو اِس ضمیمہ میں شامل کرنیکے لیئے اسکو ڈھونڈا تو بہت ہی کم اوراق دستیاب ہوئے۔ چونکہ موجودہ حالت میں مضمون مذکور کو از سر نو مرتب کرنا راقم کی طاقت سے باہر تھا۔ اس لیئے جسقدر اوراق بہم پہنچے اُنہیں کو بقدر امکان کسیقدر ترتیب دیکر اِس ضمیمہ میں شامل کیا گیا ۱۲ حالی

الکتب والاسفار فی نصرة الاسلام والذب عن حوزته فلم یظفر منه فی الهند الا بقدر یسیر لا یسمن ولا یغنی من جوع - لما قد خربت خزائن الکتب الاسلامیة کلها فی فتنة العساکر الهندیة - فعزم علی الرحلة من الهند الی اوربا لاجل ذلک واخذ معه ولدیه کانا یعرفان اللغة الانکلیزیة وسار بهما الی انکلترة واقام نحو سنتین بلندن وصنف هنالک کتابا مبسوطا سماه بالخطبات الاحمدیة فی الکشف عن حقیقة الاسلام لصیانته عن کل ما یفترون علیه ویطعنون فیه ویرمونه .

ثم ترجم هذا الکتاب بلسان اهل انکلترة وطبعه واشاع وداول بین القری والامصار من البرطانیة الکبری وفی اکثر الممالک من اوربا لیتم حجة الاسلام علی من کان ینکر علیه من دعاة المسیحیة حتی ان بعض اهل الانصاف من القسیسین المامورین علی دعوة اهل الهند الی دینهم اعترف ان احدا من المسلمین منذ بدء الاسلام الی الآن لم یکتب کتابا جامعا کاشفا عن حقیقة الاسلام ومحاسنه قط فی لسان اهل المغرب کما کتب هذا الرجل کتابه الخطبات المحمدیة ولولاه لما تمت علیهم حجة الاسلام .

ومنها انه لما صار مسلمو الهند مشرفین علی الموت الذی هو الذل والهوان بین ابناء الزمان، لما ترکوا مسالمة الدهر ومرافقته ولم یتعظوا بمواعظه وتذکیره، وزعموا ان تعلم اللغة الانکلیزیة والتکلم بها والممارسة فیها کفر، ولا یجوز للمسلمین ان یرضوا بتعلیم اولادهم فی المدارس الانکلیزیة فحرموا کثیرا من اعمال الدولة ومناصبها التی کانت شرط تقلیدها معرفة

تختلج فی صدور اعیان الدولة من قِبَلِ المسلمین ویُبرّی ساحتهم من کل سوءٍ ویُطهّر ذیلهم عن کل رِجْسٍ +

ومنها انه الّف بعد ذلك کتاباً اٰخر علی خلاف ما شاعَ واشتهر بین الملّة الانکلیزیة من رأیِ بعضِ[1] مُدبّری المُلك ومشیری الدولة منهم فی الهند انّ جماعةَ المحدِّثین من مسلمی الهند الموسومین بالوهابیة الذین لا یقولون بوجوب تقلید احدٍ من الائمة المجتهدین لیسوا من اطاعة الدولة فی شیءٍ ویرون ان الجهاد مع النصاریٰ ولاة الهند واجب علی المسلمین - فلما اشتهر ذلك الکتاب مُزیّفاً للرأی المذکور بین الهند والانکلتره ونظر فیه رجال الدولة واعیان الملة ووازنوا بینه وبین ذلك الرّأیِ لم یبق لهم شُبْهَةٌ فی قصور علم صاحب الرأی وقِلّةِ تدبّره وضعف رأیه وانّه لم یَتّبِعْ فیه الا الظّن ولم یتمسّك الا بالقیاس ورفع بناءً من غیر اساسٍ - واطلقوا خلقاً کثیرا من اولٰئك المحدثین واتباعهم کانوا مأسورین مسجونین ولم یکن لهم ذنب ولا اثمٌ الا تسمیة الناس ایّاهم باسم الوهابیّةِ +

ومنها انه لمّا شاع کتاب السیرة المحمدیة الموسومة بلائف اوف محمد باللغة الانکلیزیة فی اربع مجلدات قد صنّفها احدٌ[3] من اکابر رجال الدولة وولاتها فی الهند بحیث لم یُصنّفْ احدٌ من المسیحیین قبله کما زعموا مثل ذلك الکتاب علی مخالفة الاسلام - وکان الشیخ حینئذٍ متقلداً لبعضِ اعمال الدولة تحت امر ذلك المصنف - شمّرَ الشیخ عن ساق الجدّ واخذ یتفحّصُ عما یحتاج الیه من

---

[1] یعنی ڈاکٹر ہنٹر ۱۲ [3] یعنی سر ولیم میور ۱۲

ممالك الهند ۔ وبنى حول المدرسة رباطًا متسعًا فى غاية الحسن و الملاحة محتويًا على بيوتٍ متجاورةٍ متناسبة البناء متساوية المقدار صالحةٍ لان يسكنها الكبراء واهل الثراء ۔ واشترط على المتعلمين (سواء كانوا من بلادٍ قريبةٍ او بعيدةٍ) ان يقيموا بتلك البيوت ويلتزموها ماداموا مشتغلين باخذ العلم لئلا يخالطوا قرناء السوء ويكونوا من معاشرة الاضداد بمعزلٍ ويحصل المواخاة بينهم بطول الصحبة ويتصلح افكارهم بدوام المذاكرة وجمع فيها بين التعليمين دينيّ ودنيويّ ۔ ليتمكنوا من اصلاح امر معادهم ومعاشهم ويستغنوا عن مدارس الدولة التى خلت عن تعليم علوم الدين رأسًا ۔ وطلب لنظم المدرسة ولتعليم العلوم فيها وتربية المتعلمين المقيمين بها ۔ البارعين فى انواع العلوم من نجباء انكلترة المتحلين بالاخلاق الفاضلة والسير المرضية ۔ واحضر ايضًا العلماء الاعلام من افاضل المسلمين لتعليم علوم الدين ۔ وهيّأ لطلبة العلم كلّ ما يحتاجون اليه من المسجد والحمام والمطبخ والمستراح والمستشفى ۔ و الآبار والاشجار والرياض والانهار والآلات المتنوعة لانواع الرياضات الجسمانية ۔ والاماكن المتنظفة للمذاكرات العلمية ۔ وغير ذلك مما لا يسعه للبيان +

ولا شك ان هذه المدرس اوّل مدرسةٍ فى الدنيا تشكّلت لتعليم المسلمين بمحض التعاون والتعاضد من ابناء الملة وتكفلت لتعليمهم وتربيتهم وتهذيب اخلاقهم وحفظ صحتهم وتنظيف لباسهم وتحسين كلامهم و ان يرشدهم الى معنى التمدن وحسن المعاشرة ويدلّهم على ان القوم ما هو

اللغة الانكليزية ، ولم يزالوا يتنزّلون عن معارج العزّ والجاه درجة بعد درجةٍ حتى كاد ان ينتهوا الى غاية ذُلّهم وهوانهم ، ويعودوا غرباء خاملين غامضين وهم فى اوطانهم حماله الرّقّة النوعيّة والاخوة الاسلامية على ان يُصلح امرهم ويجمع شملهم ويُقوّم عوجهم ويسدّد افكارهم ويُثقّف آراءهم ويدلّهم على ما يقتضيه الاحوال الحاضرة من تعلم لسان ولاة العهد واكتساب العلوم المفيدة والمعارف الجديدة ، وترك التقليد فى المصالح الدنيوية والامور المعاشية والانسلاخ عن الرسوم القديمة التى رسخت فى قلوبهم كالاحكام الشرعية ، وغير ذلك من الامور التى لا يمكن ان يبقى امّة من الامم العظيمة على عظمتها القديمة الا وان يلزموها انفسهم ويتشبثوا بها ويعضّوا عليها بالنواجذ ، ويجتهدوا فيها ".

فلا زال الشيخ مع كبر سنّه وعظم جثّته وثقل جسمه يسير ويرتحل من بلد الى بلدٍ ومن ناحية الى ناحيةٍ ، فيعظهم فى كل مجلس ويذكّرهم فى كل محضر ويلومهم ويعاتبهم ويرفقهم ويلاطفهم ، وكان يطالبهم ان يبذلوا اموالهم ويجهدوا انفسهم فى تهيّة اسباب التعليم وتيسيرها لاخلافهم واعقابهم وترويج العلوم الجديدة ومداولة اللغة الانكليزية بين المسلمين المتوطّنين فى بلاد الهند الآمنين فى كنف الدولة البرطانية كما فعل سائر ابناء وطنهم من الهنود والمجوس وغيرهم ".

فلما انتهى الامر الى ذلك استطاع الشيخ عند ذلك سبيلا الى تشكيل مدرسة كليّة رفع بناءها فى بحبوحة الهند بحيث لم ير مثلها عين الزمان ولاسيما فى

بالقبول بل انكروا عليه وكفّروا من تصدّى لادارته ومن كان من اعوانه
وانصاره ولكن لم يقدروا ان يمنعوا غيرهم من اصحاب الرأى واهل النهى
عن موافقة الشيخ ومظاهرته فيما يرجع الى صلاح حالهم ومآلهم فبذلوا
اموالهم لبناء المدرسة فوق ما يستطيعون .

ومنها انه بعد تاسيس بنيان المدرسة الكلية لتعليم المسلمين
وتشييد مبانيها عقد[1] مجلسًا عموميًّا باحثًا عن امر تعليم المسلمين المتوطنين
فى كل ناحية من نواحى الهند وانّه كيف يمكن وصولهم الى الكمالات المطلوبة
التى اقتضتها ضرورة الوقت ومع ذلك كيف يمكن لهم المحافظة على بقايا السلف
الصالح من علومهم القديمة ولاسيما العلوم الدينية التى تكاد تندرس رسومها
وتمحوا آثارها من بلاد الهند وما السبيل الى بقاء اللغتين الحاملتين لدينهم
وعلمهم وحكمتهم وادبهم وتاريخهم وسيرهم فى اخلافهم واعقابهم اعنى
العربيّة والفارسية اللتين قد جاء بهما المسلمون الاولون من فاتحى الهند
واعوانهم وانصارهم وكانت كُلُّ واحدة منهما مُنذ قدوم المسلمين فى هذه
الاقطار متداولةً بينهم فكل ما كان من تعليمهم وتعلمهم ومكاتبتهم ومراسلتهم
وتصنيفهم وتاليفهم وانشائهم وانشادهم ولفظهم ونثرهم انما كان باحدى
هذين اللسانين وكانوا يكرمون العربيّة ويحبونها ويتبركون بها كما كانوا
مستانسين بالفارسية راغبين فيها مقبلين عليها - والآن كلاهما مشرفان
على الزوال قد انقطعا عن مدارس الدولة ومكاتبها رأسًا ولم يبق فى بيوت المسلمين

[1] یعنی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ۱۲

والوحدة القومية ما هي ويحيي فيهم الاخوة الاسلامية التي قد ماتت بموت القدماء من اهل الملة البيضاء ويغرس في قلوبهم منها شجرةً طيبةً اصلها ثابتٌ وفرعها في السماء ويؤلف بين اشتات الفرق الاسلامية التي يتباغضون بينهم ويتنافرون ويتنازعون ويتخاصمون يُعرِض بعضهم عن بعض ويَسُبّ بعضهم بعضًا ثم لتوكيد هذا المقصد رأى ان يُداول بينهم جرنالٌ مُهذّبٌ للاخلاق والعادات مُحرِّضٌ على المكارم والمعالي۔ مُزهِّدٌ في بعض العلوم القديمة التي لا طائل تحتها، كاشفٌ عن المعارف الجديدة مُرغِّبٌ فيها مشعرٌ بانّ الاسلام باصوله وفروعه لا ينافي اصول التمدّن وفروعه ولا يمنع عن اتباع الملل المتمدنة في العلوم والصناعات وسائر الحيل التي بلغوا بها غاية العز والمنعة والجاه وسبقوا كلَّ اُمّةٍ من اصناف الامم الى اقصى مراتب الحكمة والدولة والسلطان۔ وسمّى هذا الجرنال بتهذيب الاخلاق۔

فلا زال يَصدُر في كل شهر مرّةً او مرّتين الى نحو عشر سنة وكان من احسن الجرائد وضعًا وترتيبًا وابلغها نظمًا وبيانًا واجزلها قدرًا ومكانًا في لسان اهل الهند۔

لم يسبقه جريدةٌ ولا جرنالٌ في هذا الشان۔ فانتفع به المسلمون في هذه الاقطار فوق ما يُرجى ويُتوقّع ان ينتفعون، حتى انّ صلحت افكارهم وتحولت اراءهم وتزلزل بُنيانُ العصبيّة التي كانت تحول بينهم وبين الحق المبين۔ غير ان المتقشّفين من علماءهم والمقلّدين من سفهاءهم والمتعصبين الخائضين في بحرٍ لجّيٍ يغشاه موجٌ من فوقه موجٌ من فوقه سحابٌ لم يتلقّوه

ومنها ان طائفة عظيمة من طوائف الهنود الذين سبقوا سائر ابناء الوطن فيما يقتضيه الاحوال الحاضرة من العلوم الجديدة والصناعة والسياسة والتمدن وفاقوا جميع الاقران والامثال فى معرفة اللغة الانكليزية وتقلدوا الاعمال الجليلة والمناصب الرفيعة من قبل الدولة بحيث لم يترك والاحد من اهل الوطن موضعًا للتقرب الى دولة العهد وحصول العز والمكنة عند اركانها۔ شكلوا مجلسًا عموميًا سمّوه **نیشنل کانگریس** ليطالبوا دولة العهد ما وعدت من انها لا تفرق بين احد من اهل الهند واهل انكلترة بشرط استحقاقهم فى سائر الحقوق والمرافق ولا يرجح بعضهم على بعض فى تقليد الاعمال الجليلة والمشاركة فى وضع القوانين السياسية وغير ذلك واردات تلك الطائفة ان يشاركوا معهم فى تلك المطالبات جميع اهل الهند ليضطر الدولة الى استماع ما يقولون واجابة ما يسألون فلما مضى على تشكل ذلك المجلس سنتان وجعلت طوائف اهل الهند يستحسنونه ويميلون اليه ويرغبون فيه قليلاً قليلاً ويأتيه الناس مبعوثين حين ينعقد المجلس من كل ناحيةٍ حتى ان كثيرًا من المسلمين ايضًا عزموا على مشاركتهم فى هذا المجلس، تفطن الشيخ بانه ان ظفرت تلك الطائفة بمرادهم لن ينال المسلمين منهم الا الشر۔ فان الحقوق التى يدعون لسائر ابناء الوطن لا يمكن ان يحصل لقوم الا وان يكونوا اغنياء اعزة عند اركان الدولة عارفين باللغة الانكليزية والعلوم الجديدة معرفةً تامةً مطلعين على القوانين السياسية خبيرين باصول الدول المتمدنة الاوروباوية ولا شك ان المسلمين

منها الا رمق۔ ومنها الحيلة فی تعليم نساء المسلمين من وراء الستر وهن مقصورات فی البيوت مستورات عن المعلمين والنسوة اللاتی يصلحن لتعليم النساء فلا يوجد منهن فی ارض الهند الا ما شاء الله۔ والمدارس التی تشكلت لتعليم نساء اهل الهند من تلقاء الدولة او من قبل دعاة المسيحيين فلا يأمنها احد من اشراف المسلمين وايضاً رأى الشيخ ان ينعقد ذلك المجلس على راس كل سنة فی بلد من بلاد الهند ويأتيه المسلمون حينئذ مبعوثين من كل ناحية ويعرض من يشاء من اعضاء المجلس ما بدا له من رأی او فكر او حيلة او تدبير فی امر التعليم او فی كل ما يتعلق بصلاح الملة على من شهد منهم فی ذلك المجلس فمن شاء وافقه ومن شاء لم يوافق فان توافقت كلمتهم فی امر او غلبت آراء الموافقين عزموا على امضائه وصمموا فيه والا فلم يأخذوا به وتركوه كان لم يكن شيئاً مذكوراً واول فائدة يستفيدونها من ذلك المجلس انه يتسع به دائرة الاتحاد بين المسلمين يوماً فيوماً۔ فانهم يأتون فی كل سنة مرة من اماكن بعيدة وبلاد قاصية لا مرجا مع فيه صلاح الملة فيجتمعون بعد ما كانوا متفرقين ويتعارفون بعد ما كانوا متناكرين ويقيمون فی مقام واحد الى نحو خمسة ايام او اكثر ليتمكنوا من دوام المصاحبة والمحادثة ويتفقوا فی الاكل والشرب ويتساءلون ويتشاورون ويتحدثون ويتفاكهون ثم ما عدا تلك الفوائد يخطب الخطباء من افاضل الناس يفيدون فی خطباتهم ما يناسب ذلك المشهد من افادات جليلة يهتز بها القلوب ويتحرك بها النفوس الى معارج الكمال المطلوب۔

لا ینافضه شیٔ من العلوم الیقینیة وانما ینافض ما اشتبه بالاسلام ولیس من الاسلام فی شیٔ، من آراء العلماء وقیاسات الفقهاء وخرافات القدماء من الفلاسفة والحکماء والبدع والاهواء والاخبار الواهیة المنقولة من کتب الیهود والسنن الرائغة الماخوذة من المجوس والهنود وغیر ذلک مما اخذ یجذ فیر الاسلام وصار منه بمنزلة الاخلاط من المزاج ۔

وکانت الفحول من علماء الاسلام فی الهند کافة غافلین عما یقتضیه ضرورة الوقت فکما کانوا ینهون عن تعلم اللغة الانکلیزیة وتحصیل العلوم الجدیدة کذلک کانوا یتناهون عن نصرة الاسلام بوجهٍ یناسب اذواق المعترضین وینطبق علی اصولٍ مسلمةٍ عند حکماء العصر وکانوا لا یجوّزون ان یسلکوا فی المدافعة عن دینهم طریقًا لم یسلکها الاولون بل کانوا لا یعرفون کیف السبیل الی الذب عن حوزة الاسلام فی هذا الزمان، واین المفر من حملات الحکمة الجدیدة علی الملل والادیان وفیم الخلاص من شبهات الطبیعیین القائلین بامتناع الخرق فی القوانین الطبیعیة ۔

فلما استیأس الشیخ من علماء الملة ان یتعهدوا امر الدین ویحافظوا علیه ویدافعوا عنه تصدّی بنفسه المنفردة لهذا الخطب الجسیم وشرع فی تفسیر القرآن الکریم علی اصلٍ متقنٍ ینطبق علی الحکمتین القدیمة والجدیدة ومع ذلک یشهد به العقل ولا یستنکره الشرع ۔ وهو ان فعل الله وقوله تبارک وتعالی لا بد ان یکونا متوافقین متلازمین بحیث لا یتخلف احدهما عن الآخر لئلا یلزم نسبة الکذب الی الحضرة (تعالی عن ذلک علوًا کبیرًا) ولا نشک ان ما کان وسیکون فی عالمی الخلق والامر انما هو من فعله تعالی فلا یمکن ان یوجد فی کلامه المبین شیٔ یخالف ما فی عالم الخلق او فی

لیسوا من تلک المزایا فی شیءٍ یعتدّ بہ فلا بدّ ان یستوعب الهنود جمیع تلک
الحقوق ویشارکوا فی الحکومة والقدرة والاختیار ولم یبق للمسلمین خلاق
فی العزّة والمکنة والجاه ویصیروا اذلّاء صاغرین خاضعین للهنود اکثر
مما کانت الهنود لهم فی سالف الزمان ووجدت الهنود فرصةً لان یبدوا ما فی
انفسهم من الضغینة والبغضاء القدیمة التی قد بدت من افواههم وما تخفی
صدورهم اکبر۔ فابتدر الشیخ عند ذلک الی تشکیل مجلس اٰخر علیٰ رغم مجلسهم
لتنبیه المسلمین علی انّ تلک المطالبة انما هی نافعة للهنود خاصّةً لا
للمسلمین ولرفع القضیة الی ارکان الدولة واعلامهم بانّا معشر المسلمین کافّة
لا نشارکهم فیما یدّعون وفیما یطالبون وانّا برآءُ منهم ومما یقولون۔ فانتهی
الامر الی ان جزمت الدولة بانّ فی اسعاف ما یقترحون تامیرٌ لقومٍ خاصٍّ
علی سائر الاقوام من اهل الهند۔ وانتبَهَ المسلمون بعد ما کانوا غافلین عن
تبعات تلک المطالبة وعواقبها۔ فاعتزلوا عنهم وتبرّأوا عن مشارکتهم ولم
یحم حولها بعد ذلک من المسلمین الا نفرٌ قلیلٌ لیسوا فی اعداد شیءٍ منهم ۔

ومنها انه لمّا کان ممارسة العلوم الجدیدة فی الاکثر مُنتِجًا للوهن فی امر
الدین ومظنّةً للالحاد والتدهر لما یُریٰ ویُسمع من احوال رجال العلم فی اوربا
وکان الشیخ اوّل من حرّض مسلمی الهند علی تحصیلها ورغّبهم فیها فخاف علیهم ان
یجتنوا منه ما اجتنت الملل المسیحیّة فی اوربا ویتضرروا بالعلم فوق ما کانوا
یتضررون بالجهل ۔

وکان قلبه مطمئنًا علی انّ الاسلام الخالص عن الشوائب الصافی عن الاکدار

علی قلب بشر۔ فان تلک النعماء التی امثالها موجودۃ فی ھذہ الحیوۃ الدنیا۔ وان کانت
اعلی واشرف من امثالها الخسیسۃ الدنیویۃ غایۃ العلو والشرف فلابد ان یکون
بینها وبین امثالها نوع من المماثلۃ والمشارکۃ والا فلا وجه لتسمیتها بھذہ الاسماء
فان سلمنا انها لا ترٰی بالعیون ولا تسمع بالاذان فلا نسلم انها لا تخطر علی قلب بشر
ایضًا۔ وقد علمت ان حقیقۃ الجنۃ من شانها ان لا یخطر علی قلب بشر۔ فعلم ان
جمیع تلک النعماء التی تنسب الی الجنۃ انما ھی عبارات عن قرۃ اعین تکون فیها وتمثیلات
لها لتکون اوقع فی قلب الانسان واقرب الی فهمه الناقص وادراکه القاصر لحقیقۃ
الجنۃ وماھیتها ٭

ثم اعلم ان الانسان کما خلقه ربه مجبول علی انه لا یدرک ولا یتصور الا ما ابصر بالعین
او مس بالید او ذاق باللسان او شم بالانف او احس بالقوۃ السامعۃ وقرۃ اعین
تکون فی الجنۃ لا ابصر مثلها الانسان بالعین قط ولا مس بالید ولا ذاق باللسان
ولا شم بالانف ولا احس بالقوۃ السامعۃ فالفطرۃ الانسانیۃ تابی ان یبلغ الانسان
کنه تلک القریرۃ وحقیقتها۔ ثم ما یخاطب به الانسان انما یخاطب بما ھو جار علی
لسانه من الالفاظ والکلمات ولا یوجد فی لغۃ من لغات الانسان لفظ یعبر عن معنی
لا یدرک بالحس فلا یمکن ان یعبر عن ذلک المعنی بعینه وان کان المعبر ھو اللہ فانه قادر
علی الممکنات لا علی المحالات۔ ثم کل لغۃ من لغات الانسان التی یخاطب بها بعضهم
بعضًا لا یوجد فیها ایضًا لفظ ولا کلمۃ یعبر بها عن کیفیات ھذہ الخسائس الدنیویۃ
کالحموضۃ والحلاوۃ والوجع والالم والکلفۃ والراحۃ وانما یعبرون عنها بمرادفاتها
وبنوع من التمثیل والتشبیه مع ان ذلک المرادف والتمثیل ایضا یحتاج الی التفسیر

عالم الامر من الاسماء والصفات والافعال والآثار والقوى والكيفيات والحوادث والوقائع

ولما كان اصل اصول الاسلام هو القرآن الكريم الذي وصل الينا كما انزله الله على رسوله من غير تحريفٍ ولا تصحيفٍ ولا زيادةٍ ولا نقصانٍ ولم يكن الاحاديث والآثار بهذه المثابة وكان في كتاب الله غُنيةٌ لنا عن كل ما عداه كما قال عمر بن الخطابؓ "حسبنا كتاب الله" اقتصر الشيخ على تفسير القرآن ورأى ان في المدافعة عن القرآن دفاعٌ عن الدين كله ولنذكر ههنا انموذجًا من تفسيره الذي حمل فيه بعض الفاظ القرآن الحكيم على معانٍ مجازيةٍ لم يحملها عامّةُ علماء الاسلام على تلك المعاني قبل الشيخ. قال الشيخ في تفسير الآيات التي وقعت في اوائل سورة البقرة في بيان نعماء الجنة. اما حقيقة الجنة التي علمنا ربنا فهي كما قال عز اسمه في سورة السجدة "فلا تعلم نفسٌ ما اخفي لهم من قرة اعينٍ جزاءً بما كانوا يعملون" واما حقيقتها التي اخبر بها المخبر الصادق عليه الصلوة والسلام فهي كما اخرج الشيخان عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "قال الله تعالى اعددتُ لعبادي الصالحين ما لا عينٌ رأت ولا اذنٌ سمعت ولا خطر على قلب بشرٍ". فلا يخفى انه لو كان حقيقتها على ما زعموا هي الرياض والانهار والفواكه والثمار والجواري والغلمان وقصور من لؤلؤٍ وذهبٍ وفضّةٍ وانهار من لبن وخمرٍ وعسلٍ لكان مخالفًا لما نطق به القرآن وما صحّ عن النبي ﷺ فان جميع تلك الاشياء مما تراه العيون وتسمعه الآذان ويخطر على قلب بشر. ولا يقال ان ما في الجنة من الرياض والانهار وغيرها فهي اعلى واشرف من امثالها في هذه الدنيا غاية العلو والشرف فلا يلزم ان ترى بالعيون وتسمع بالآذان كما نرى و نسمع امثالها في هذه الحيوة الدنيا. لانها ان لم تكن ترى وتسمع فما منعها ان تخطر

اخرى هل من تجزّا - فما ظنك بحقائق الجنة التى عُبّر عنها بقرة اعين كيف يمكن التعبير عنها بعينها وتصويرها فى ذهن الانسان وان كان المعبّر هو الله ٭

الّا انه لما كان الانسان مجبولاً على استكشاف ما فى اتيان المامور به من النفع وما فى ارتكاب المنهى عنه من الضرر وكان لا يرغب فى الطاعة الا بعد ما اطلع على نفعها ولا ينتهى عن المعصية الا بعد ما تبين مضارها وجب على كل نبى مرسل بل على كل مجدّد يصلح بعض المفاسد العامة ان يبين ذلك النفع ويدل على تلك المضار ولو كان بنوع من التمثيل والتشبيه ٭

ولما كان التعبير عن حقيقة تلك القرة للاعين بعينها متعذرا وكذلك عن حقيقة ما يقابلها من الآلام الروحانية احتاج الشارعون الى بيان جزاء الاعمال خيرًا كان او شرًّا بكل راحة او كلفة لا يتصور راحةٌ وكلفةٌ فوقها فى هذا العالم والمقصود من ذلك البيان انما هو تصوير تلك القرة للاعين وما يقابلها من الآلام الروحانية بوجه من التشبيه ولو كان ناقصًا لا هذه الراحة او الكلفة بعينها ٭

ولذلك فقد وقع فى التوراة بيان تلك القرة بكثرة الاولاد ونزول الامطار وسعة الرزق والغلبة على الاعداء وامثالها وبيان ما يقابلها من الآلام الروحانية بموت الاولاد والقحط والوباء والهزيمة من الاعداء وما اشبه ذلك الا ان هذه الامثال وان كانت اوقع فى قلوب بنى اسرائيل وانفذ ولكنها لم تكن بحيث تعتبر بها سائر الامم والملل - فجاء القرآن بامثال ابدع منها فى الانذار والتبشير واوقع فى قلوب كافة الناس واوفق بحال كل فرد من افراد الناس شرقيًّا كان او غربيًّا باديًا كان او حاضرا وعالمًا كان او جاهلًا فان كل قوم سواء كانوا من البلاد الحارة او الباردة يحبون بيوتًا مزخرفةً وبساتين ناضرة ومياهًا جارية وفواكه طيبة يفرحون بها كل فرحة ويرغبون فيها كل رغبة ويشتهونها ويميلون اليها - وايضًا كان فى الحسن والجمال على اطلاقه لذةٌ عجيبة تنجذب اليها النفوس وتهتز القلوب واعجب الحسن والجمال اذا كان فى الانسان ولا سيما فى الجوارى والغلمان - فالتعبير عن قرة اعين تكون فى الجنة بمثل هذه اللذات الفطرية - وعما يقابلها من الآلام الروحانية بامثال النار والحميم والضريع والزقوم انما المقصود منه ان يُجزم بوجود كل نعمة لا يُتصور فوقها نعمة فى الجنة وبادراك كل نقمة لا يتصور فوقها نقمة فى جهنم والا فالراحة التى تكون فى الجنة والكلفة التى تكون فى جهنم بالحقيقة لا مماثلة بينها وبين هذه الامثال التى نطق بها القرآن ٭

تمت بالخير

اعلان